جلد 4 شمارہ 5 جولائی 2002ء ربیع الثانی 1423ھ

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ

اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر بنا لیتے ہیں ان سے اللہ کی محبت کی مانند محبت کرتے ہیں جبکہ اہل ایمان شدید محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں

(البقرۃ۔165)

اللہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ---------- 15/- روپے　　　　سالانہ فنڈ ---------- 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر رکھی گئی ہے اور مجموعی طور پر تمام ادیان نے بعض اوصاف پر خوبی بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے' سچائی' انصاف اور امانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں مستحسن سمجھا گیا ہے اس کے مقابلے میں جھوٹ' ظلم اور خیانت کو ہمیشہ ناپسند کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانی اخلاقیات دراصل وہ عالمگیر صداقتیں ہیں جن کو سب انبیاء نے پیش کیا ہے۔ یہ دائمی حقیقتیں انسان کی جانی پہچانی چیزیں ہیں جن کا شعور آدمی کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اپنی زبان میں نیکی کو معروف اور بدی کو منکر کہتا ہے۔ یعنی نیکی وہ چیز ہے جسے سب انسان بھلا جانتے ہیں اور منکر وہ جسے کوئی خوبی اور بھلائی کی حیثیت سے نہیں جانتا۔ جس طرح اسلام کے تمام مسائل و احکام دیگر ادیان کی تعلیمات پر فوقیت رکھتے ہیں اسی طرح اسلام کا پیش کردہ نظام اخلاق بھی دوسروں کی نسبت جامع' اکمل اور ہمہ گیر ہے۔ کیونکہ آنحضور ﷺ کی بعثت ہدایت ربانی کی تکمیل تھی۔ لہٰذا تکمیل اخلاق کے لحاظ سے اسلام ہی حرف آخر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر زیادہ زور دیا ہے ان میں سے اخلاق حسنہ بھی ہے جس طرح دین اسلام اپنے کامل اور دائمی ہونے میں آخری دین ہے۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کی ذات اقدس اخلاق پر کمال اور دوام کے لحاظ سے آخری سند ہے جس کا اظہار آنحضور ﷺ نے خود فرمایا۔

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

"میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں" (موطا امام مالکؒ)

قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا ذکر کرتا ہے۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (ویزکیھم) اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دینی ہے۔ تزکیہ سے مراد انسان کے باطن کو کفر و شرک سے پاک کرنا اور حکمت کی تعلیم سے مراد نبوت کے وہ علوم

ہیں جن کا بڑا حصہ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

آنحضور ﷺ نے صرف زبانی وعظ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے پیش کردہ اخلاق حسنہ کا عملی نمونہ پیش کیا۔ انسان کی عملی سیرت کا نام ہی خلق ہے۔ قرآن مجید کے سوا کسی اور مذہب کے صحیفے نے اپنے شارح کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت نہیں دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بلند ترین انسان تھے۔ لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا۔

وان لک لاجرا غیر ممنون وانک لعلی خلق عظیم (القلم۔4)

"اے محمد ﷺ بے شک تیری مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بے شک آپ بلند اخلاق پر فائز ہیں"

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک رسول کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور آپ کی حیات طیبہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اس لئے ایک صحابی نے جب حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ سید المرسلین کا خلق کیسا ہے؟ آپ نے صحابی سے فرمایا۔

"کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو"

انہوں نے جواب دیا۔ "پڑھتا ہوں"

حضرت عائشہ نے فرمایا۔ کان خلقہ القران آپ کا خلق قرآن ہی تھا

لہٰذا ہر امتی کے لئے آپ کے اخلاق حسنہ کی پیروی لازم ٹھہری لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ اے مسلمانو۔ آنحضور ﷺ آپ کے لئے پیروی کا بہترین نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاق نبویؐ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

(والسلام۔ وحید احمد)

سکون قلب ملتا ہے صرف یاد خدا کے ساتھ

میاں محمد اشرف تسنیم

الا بذکر الله تطمئن القلوب

ترجمہ!"خبردار اللہ کی یاد ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں"

اس آیت کریمہ کی روشنی میں ارشاد ہو رہا ہے کہ خبردار دھیان سے سنو' دلوں کو تسکین اور اطمینان صرف یاد خدا ہی سے ہے۔ سبحان اللہ ہمارا خالق کتنا رحیم ہے سب سے بڑا رحیم۔ ہم جو اس کی مخلوق ہیں ہماری راہنمائی کے لئے ہماری تربیت کے لئے عملی تعلیم دینے کے لئے کئی لاکھ انبیاء علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنیں۔ اور ہم گنہگاروں پر رحم فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہماری ہر ضرورت کا پہلے ہی سے انتظام فرمادیا ہے۔ جیسے بچہ پیدا بعد میں ہوتا ہے اس کی خوراک کا بندوبست پہلے فرمادیتا ہے۔ ہمیں تکلیف بعد میں ہوتی ہے وہ دوا کو پہلے ہی تجویز فرمادیتا ہے کہہ دو سبحان اللہ۔

قارئین محترم! آج کا درس جو ہے آج بھی انسانی تکلیفوں کا پریشانیوں کا ایک جامع نسخہ دیا جا رہا ہے اے انسانوں دل کے سکون کا' چین کا' اطمینان کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور وہ ہے یاد خدا کا نسخہ۔ اے اللہ ہم سب کی قسمت میں سکون قلب عطا فرمادے کیونکہ آج انسان کو سب سے زیادہ ضرورت صرف اور صرف اطمینان قلب کی ہے۔

آیئے ذرا جان لیں کہ جس انسان کے لئے ساری کائنات بنی اس کی راہنمائی اپنے برگزیدہ بندوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمائی آخر وہ ہے کیا۔ تو صاحبو انسان کو خالق کائنات نے ایک ناپاک جی ہاں ناپاک قطرے سے وجود بخشا ہے۔ حکمت الہیہ کے تحت رحم مادر میں چار ماہ کے عرصہ میں انسانی جسم تکمیل پاتا ہے تو پھر امر ربی کے تحت عالم بالا سے روح آتی ہے اور انسانی جسم کے لئے طرح طرح کی غذائیں' پھل میوے' دودھ ---- پیدا فرمائے اور روح کے لئے غذا پیدا فرمادی۔ روح کی

تربیت کا بھی رب تعالیٰ نے اہتمام فرمایا اگر آپ مطمئن ہونا چاہتے ہیں تو خدا کو یاد کرو۔ یاد رکھو ساری نعمتیں جو دنیا میں موجود ہیں۔ ان میں سے اطمینان قلب ہی سب سے عظیم دولت ہے۔ واہ رے انسان۔ تونے اللہ کے حکم کو حق نہ جانا تو طالب مولیٰ کی بجائے طالب دنیا بن گیا تو نے کہا کہ دولت کے مل جانے سے اعلیٰ عہدہ مل جانے سے' ڈھیروں زمین کے مل جانے سے' اقتدار مل جانے سے تجھے چین مل جائے گا۔ ارے ناسمجھ چین تو بڑی دور کی بات ہے ان کو حاصل کرنے کے لئے تو ہروقت بے چین رہتا ہے۔ اپنے اردگرد دیکھ۔ دولت والوں کو' دنیا والوں کو بلکہ تاریخ عالم پر نظر دے۔ دنیا کے دنیوی حکمرانوں کو دیکھ۔ توان میں سب کچھ دیکھے گا۔ لیکن چین' سکون' تسکین اور اطمینان قلب نام کی چیز نہ پائے گا۔ اللہ کی یاد کے بغیر بادشاہ بھی بے چین نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام!

یقین مانئے بڑی تلخ زندگی ہے دنیاوالوں کی۔ اسی لئے آپ سے کہوں گا کہ دنیا کے طالب کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد اور اللہ کے طالب کی زندگی بڑی مطمئن اور نہایت نیک گزرتی ہے۔ اللہ کا جو ذکر کرتے ہیں ان کے گھر بڑی برکت ہوتی ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے ان کے دلوں کو چین اور قرار نصیب ہوتا ہے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ ان کے دل بدگمانی کا شکار اور بے چین نہیں ہوتے۔

سبحان اللہ کیا شان ہے اللہ کا ذکر کرنے والوں کی۔ جب وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو خود اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے معراج کی شب ایک شخص کو دیکھا کہ عرش کے نور سے ڈھانپا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کیا کوئی فرشتہ ہے؟ کہا گیا نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کوئی نبی ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں۔ بلکہ یہ آپ ﷺ کا امتی ایک مومن ہے جس کی زبان دنیا میں اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھی اور اس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا تھا۔

اے رب العزت ہمارا شمار بھی ان جیسا فرما امین۔

صاحبو۔ کچھ علم ہوا اللہ کے ذکر کرنے والے بندے کے مقام کا' اس لئے اگر چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے ساتھ رہے تو پھر اس کے ذکر کو اپناؤ۔

آیئے آج سے سچے دل سے اللہ کا ذکر شروع کرنے کا عہد کریں۔ اپنے بچوں کو بھی اس میں شامل کریں تاکہ وہ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بن سکیں۔ بچوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دیں کہ دنیا آج جو تو صرف اللہ کہہ رہا ہے اور وہ بھی زبانی آج کا یہ تمام زبانی ذکر انسانی ذکر یعنی زندگی کے تمام عملی ذکروں کی بنیاد ہوگا۔ اپنی بنیاد کو پختہ کریں انشاء اللہ تعالیٰ آپکے اس عمل سے شیطان پر لرزہ طاری ہو جائے گا اور وہ تجھے گمراہ نہ کر سکے گا۔ اللہ کا ذکر کرنے سے شیطان کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں گے اور ہاں اپنے بچوں کو یہ بھی بتا دیں کہ دنیا صرف ہم ہی نہیں ساری کائنات، چرند، پرند، درند، غرض ساری مخلوق اس کے ذکر میں مشغول رہتی ہے۔

قارئین کرام! کیا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں جب نبی اکرم ﷺ نے ایک ٹہنی اکھاڑ کر ایک معذب (جسے عذاب ہو رہا تھا) کی قبر پر رکھ دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ پتے ذکر میں مشغول رہیں گے اس وقت تک اس صاحب قبر سے اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹلا رہے گا۔ اسی طرح اگر ہماری اولاد ذکر الٰہی کو اپنا معمول بنا لے تو انشاء اللہ ہمیں ان کے اس عمل سے دنیا اور آخرت میں فائدہ ہی فائدہ، سکون ہی سکون ملتا رہے گا۔ اس لیے آپ سب اللہ کے ذکر سے ہر سانس کو منور کر لیں۔ ابھی وقت ہے اللہ کو راضی کر لو اور اس کے حضور دعا مانگیں اے بار الٰہ ہمیں اپنے پیارے حبیب ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے اور ہمیں جب موت دے تو اس حال میں کہ ہم تیرے ذکر میں مشغول ہوں۔ آمین یا رب العالمین۔

(رانا اعجاز)

عن امیر المومنین ابی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوای فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا اوامراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ (بخاری و مسلم)

ترجمہ! ”امیر المومنین ابو حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ عملوں کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے اور ہر مرد کے لئے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف مقبول ہوئی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہوئی کہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی

ثواب اور نیت

اس حدیث میں انسانی اعمال کے بارے میں ایک بہت ہی اہم چیز کا ذکر کیا گیا ہے عمل کی ایک ظاہری شکل و صورت ہوتی ہے جو آنکھوں کو نظر آتی ہے اور اس کی ایک شکل وہ ہے جو دیکھی نہیں جا سکتی۔ عمل کی یہی دوسری شکل ہے جو اجر و ثواب کی صورت میں رب تعالیٰ کے ہاں منظور و مقبول ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید میں یوں اشارہ کیا گیا ہے۔ لن ینال اللہ لحرمھا ولا دمائھا ولکن ینالہ التقوی منکم کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اس کے ہاں تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اجر و ثواب یا گناہ اور عذاب جو ہمارے اعمال کا لازمی نتیجہ ہے نیت اور ارادے کا مرہون منت ہے' نیت میں جس قدر خلوص ہو گا۔ عمل اسی قدر مقبول ہوں گے اور اگر نیت میں خرابی ہو گی تو اعمال کا نتیجہ خراب ہی نکلے گا اور اللہ کے ہاں ان اعمال کا کوئی وزن نہیں ہو گا۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بہت واضح ہے' فرمایا

"اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے"

امام غزالیؒ نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ اعمال تین قسم کے ہیں۔

1۔ طاعات 2۔ معاصی 3۔ مباحات

1۔ جہاں تک معاصی یعنی گناہوں کا تعلق ہے تو وہ نیت کے درست ہونے سے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ مثلاً" حرام مال سے مسجد بنوادی جائے تو اس سے کوئی ثواب حاصل نہیں ہو گا۔ ان کاموں کو نیکی تصور کرنا مزید گناہ ہو گا۔ نیت کی اچھائی گناہوں کی حیثیت کو بدل نہیں سکتی۔ گناہ ہر حالت میں گناہ ہی رہتا ہے۔

2۔ طاعات یعنی وہ کام جن کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو ان کی قبولیت کے لئے نیت کا درست ہونا شرط ہے یعنی ان سے ثواب اسی صورت میں حاصل ہو گا۔ جب کہ انہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور اگر نیت صحیح نہ ہو۔ مثلاً" نماز لوگوں کے دکھاوے کے لئے پڑھی جائے یا صدقہ سخاوت کی دھاک بٹھانے کے لئے دیا جائے تو بھی اجر و ثواب سے ایسے بہترین اعمال خالی رہیں گے۔

3۔ یہی حالت مباحات کی ہے' نیت کے اعتبار سے ایک جائز کام باعث ثواب بھی بن سکتا ہے اور باعث گناہ بھی۔ مثلاً" خوشبو لگانا ایک جائز عمل ہے۔ اگر محض حصول لذت کے لئے کیا جائے تو صرف مباح ہے۔ اگر تکبر اور مال و دولت کی نمائش کے لئے خوشبو لگائی جائے تو اس کا نتیجہ گناہ ہو گا اور اگر اس لئے استعمال کی جائے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہو جائے یا اس لئے کہ مسجد میں قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو راحت پہنچے تو یہ باعث ثواب ہو گا۔ یہی کیفیت تمام جائز کاموں کی مثلاً" رات کو سونے سے پہلے یہ نیت کرنا کہ صبح جلدی اٹھ کر نماز ادا کرونگا تو یہ سونا باعث ثواب ہو گا۔ اس سے یہ بات ذہن نشین ہوتی ہے کہ انسان کا ہر عمل نیت کے تابع ہے۔

وانما لکل امرء مانوی "یعنی ہر آدمی کو وہی کچھ ملے گا۔ جس کی اس نے نیت کی" حدیث کا یہ جملہ اس سے پہلے جملے کی تائید کرتا ہے اور نیت کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ نیت جس قدر خلوص میں زیادہ ہو گی ثواب اسی قدر زیادہ ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

جان لو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو گیا تو پورا جسم درست ہو گیا۔ اگر

وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑ گیا۔ جان لو وہ دل ہے

حدیث کے آخری حصے میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے مکہ شریف سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت خدا اور رسول کی رضامندی کے لئے کی تو اس کا ثواب ملے گا اور اگر ہجرت کسی دنیاوی غرض کے حصول کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی تو اللہ کے ہاں اس ہجرت کا کوئی ثواب نہیں' یہ جملہ دراصل ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے واقعہ یہ تھا کہ ایک صحابی نے ہجرت ایک خاتون کے کہنے پر کی تھی جن کا نام ام قیس تھا' انہوں نے ایک صحابی سے نکاح کرنے کے لئے یہ شرط عائد کی تھی کہ ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ چنانچہ وہ مدینہ آ گئے اور نکاح کر لیا۔ جب دوسرے لوگوں کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس صحابی کو مہاجر ام قیس کہنا شروع کر دیا۔ بات رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچی تو آپ نے ایسی ہجرت کو ایک لغو اور بے کار عمل قرار دیا۔ کیونکہ اس میں نیت ایک دنیاوی کام کے حصول کی تھی۔ اس لئے ہجرت جو ایک عظم الشان عبادت ہے نیت کی خرابی کی وجہ سے اجر و ثواب سے خالی ہو گی۔

حدیث زیر مطالعہ کی اہمیت

محدثین کے ہاں یہ حدیث اس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ تقریباً" اکثر محدثین نے اس کو اپنی کتابوں کے شروع میں درج کیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں نیت کی اہمیت کا تذکرہ ہے جو عمل کی بنیاد ہے۔ محدثین خود اپنے آپ کو اپنے شاگردوں کو اور حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ تنبیہ کرنا چاہتے تھے کہ اگر حدیث کے مطالعہ سے نیت نیک اور مقصود ثواب کا حاصل کرنا ہے تو یہ عمل نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے اور اگر نیت کسی دنیاوی کام کا حصول ہے تو مطالعہ حدیث سے آخرت کی زندگی کے لئے کچھ ذخیرہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو آدھا علم کہا کرتے تھے۔ کیونکہ نیت دل کی عبادت کا نام ہے اور عمل جسم کی عبادت ہے۔

اس حدیث کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ یہ ایک تہائی اسلام کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اولی الالباب

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کر کے زمین کی خلافت عطا فرمائی اور حصول معرفت کے لئے دو وسیع میدان عطا کر دئے۔ ایک میدان تو انسان کے ارد گرد پھیلی ہوئی وسیع کائنات کا ہے جسے آفاق کہا جاتا ہے اور دوسرا میدان انسان کی اپنی ذات کا ہے جسے جہان اصغر بھی کہا جاتا ہے اور قرآن اسے انفس کا نام دیتا ہے۔ ان دونوں ہی میں اللہ تعالیٰ کی ان گنت آیات موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

☆ وفی الارض ایت للموقنین O وفی انفسکم افلا تبصرون O (ذاریات 21 تا 22)

"اور زمین میں اہل ایمان و یقین کے لئے نشانیاں موجود ہیں اور تمہارے نفسوں کے اندر بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں"

اس آیت مبارکہ کے پیغام کے مطابق جو لوگ اہل ایمان ہوتے اور اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ پوری نسل انسانی اور تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے وہ یہاں کی ہر چیز کا دقت نظر سے مشاہدہ کرتے اور اور تمام مظاہر فطرت میں تدبر و تفکر کرتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی صنعت میں اسکی پوشیدہ و ظاہر آیات کے ذریعے صانع کی معرفت حاصل کر سکیں۔ علم کی دوسری بے شمار برکات اور مادی فوائد کے علاوہ یہ سب سے بنیادی مقصد ہے۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے بندے وہی علم نفع مند ہے جو تجھے مجھ تک پہنچادے اور جدائی سے ملاپ تک لائے اور دوری سے حضوری تک راستہ دکھائے۔ جس چیز کو تو دیکھے مجھ کو جانے اور مجھ ہی کو پڑھے"

علم آں باشد کہ جاں زندہ کند
مرد را باقی و پائندہ کند

"علم وہی ہے جو جان یعنی روح کو زندہ کرے اور اس فانی انسان کو باقی اور قائم رہنے والا بنائے"

اس طرح زندگی کے سفر میں اہل ایمان کا ہر قدم اللہ کی معرفت کی راہ میں نئی آن اور نئی شان سے آشنا ہوتا اور تعلق مع اللہ اور توکل علی اللہ کے لحاظ سے ہر آنے والا دن گذشتہ کل سے بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ حضور آقائے دوجہاں، سرور عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی محبت اور ایمان و ایقان کے لحاظ سے جس مومن کے دو دن یکساں حالت میں گذریں وہ خسارے میں ہے"

اسی حقیقت کو علامہ اقبالؒ نے شعر کی صورت میں یوں فرمایا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برھان

اس کیفیت کے حصول کے لئے لازمی ہے کہ انسان کے اندر زندگی کے ایک ایک لحظہ کی قدر و قیمت کا شعور پیدا ہو جائے اور وہ کسی بھی لمحے اپنے محبوب حقیقی کی محبت اور یاد سے غافل نہ ہو اور اللہ کے ذکر کی برکت سے اس کا ہر سانس عرش کی جانب سفر میں اسے قوت پرواز مہیا کرتا چلا جائے اور وہ اس طرح کے رنگ میں رنگا جائے کہ اس کی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور بے نیازی کی خوشبو اور اس کے کردار سے اللہ کے پیار کا اظہار ہونے لگے۔

کاشکے قیمت انفاس بدا نستے خلق
تا دمے چند ماندند غنیمت شمرند

"کاش کہ لوگوں کو سانسوں کی قدر و قیمت کا پتہ ہوتا۔ تا کہ جتنے دم باقی ہیں انہیں تو غنیمت جانتے"

ہمارے سلسلہ توحیدیہ میں جو ذکر پاس انفاس بتایا جاتا ہے اس کی یہی غرض و غایت ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سانس جو اندر جائے یا باہر آئے اس کے ساتھ لفظ "اللہ" اس طرح کہا جائے کہ دل کہے اور کان سنیں۔ زبان و لب اور کام و دہن کا اس میں کوئی کام نہیں اور اس قلبی ذکر کے دوران یہ خیال بھی کرو کہ اللہ میرے اندر، باہر، اوپر نیچے، آگے پیچھے، دائیں بائیں اور ساری فضا و خلا میں موجود ہے۔ اگرچہ وہ نظر نہیں آتا لیکن وہ یقیناً ہر وقت اور ہر جگہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔

اللہ اللہ کہتے وقت یہ خواہش بھی پوری شدت کے ساتھ شامل ہونی چاہئے کہ اے اللہ تو مجھے نظر آ جا' مجھے اپنا جلوہ دکھا اور مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ کیونکہ یہ خواہش ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کی ابتدا ہے۔ اس ذکر کی برکات بے شمار ہیں اور اس کی لذات سے آشنائی اس پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی سے سالک راہ خدا کو حقیقی اطمینان قلب کی دولت ملتی اور اس پر روحانیت کی وسیع و عریض دنیا کا دروازہ کھلتا ہے۔

غور و غوض کرنے کا مادہ ہر انسان میں موجود ہوتا ہے۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ انسان کے اردگرد نباتات' جمادات اور حیوانات کی ہزاروں قسمیں' سورج چاند اور ستارے' بلند و بالا پہاڑ' سمندر اور دریا' ہواؤں کا چلنا' گھٹاؤں کا برسنا' مردہ زمین کا زندہ ہو جانا اور اس میں سے رنگا رنگ کے پھولوں اور مختلف ذائقوں کے حامل پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا' مخلوق کی ہر نوع کا جوڑا جوڑا ہونا اور ان کی نسلوں کی پیدائش' افزائش یہ سارے مناظر انسان کو دعوت نظارہ دیتے اور اسے تدبر و فکر پر اکساتے ہیں تاکہ وہ حقیقت شناس بن کر خالق کائنات کی معرفت میں ترقی کرتا چلا جائے۔ کئی مفکرین ایسے بھی گزرے ہیں جو اگرچہ ایمان کی دولت سے محروم تھے پھر بھی ان کی فکر رسا نے انفس و آفاق یں فطرت کے ایسے ایسے راز معلوم کئے کہ انسانی زندگی میں انقلاب آگیا۔ ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور پیش کردہ نظریات نے انسانی ترقی کی تاریخ میں دائمی مقام حاصل کر لیا۔ لیکن ایمان کی محرومی کی بنا پر انکی یہ جدوجہد یک طرفہ ہی رہی اور اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے عظیم راز جان لینے کے باوجود بھی مادی سوچوں سے باہر نہ نکل پائے اور خالق کی معرفت سے محروم رہ گئے۔ اس راہ میں کئی لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو بنیادی طور پر دہریہ تھے لیکن سائنسی تحقیق کے دوران اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نظاموں اور اس کی حیرت انگیز کاریگری کو دیکھ کر ان کی عقلیں دنگ اور ذہن مبہوت ہو کر رہ گئے اور وہ ایک صاحب ارادہ' منتظم' عظیم حسابدان اور اعلیٰ ترین شعور کی حامل خالق کائنات ہستی کے وجود کا اقرار کرنے پر مجبور گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی فرما رکھا ہے۔

☆ سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (حم السجدۃ 53)

"ہم عنقریب ان کو انفس اور آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے"

یہ تو فیضان سماوی اور لذات ذکر سے محروم سائنسدانوں کا حال بیان ہوا۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ انہیں "اولی الالباب" کا نام دیا ہے۔ ان الفاظ کا ترجمہ عام طور پر اہل عقل یا ارباب دانش کیا جاتا ہے لیکن اولوالالباب میں جو وسعت اور گہرائی ہے اس کی ترجمانی اہل عقل کے الفاظ سے نہیں ہو سکتی۔ لب کا لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے جس کے معنی عطر، نچوڑ، خلاصہ یا حقیقت ہے۔ لب لباب اکثر انہی معنوں میں لیا جاتا ہے۔ اس طرح اولی الالباب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت کی جستجو میں اس کا ذکر کرتے اور مظاہر فطرت میں تدبر و تفکر کرتے ہیں تاکہ ہر شے کی حقیقت جان سکیں۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم ارنا حقائق کل شی کما ھی "اے اللہ ہمیں (یعنی سارے مومنین کو) ہر شے کی حقیقت جیسی کہ وہ دراصل ہے دکھا دے"

حضور سید الانبیاء ﷺ کی دعا کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس دور کے ایک معروف سائنسدان سٹیفن ہاکنگز کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں۔ وہ اپنی مشہور زمانہ کتاب (A Brief History of Time) میں لکھتا ہے۔

(ترجمہ)! آج بھی ہم یہ جاننے کے لئے سرگرداں ہیں کہ ہم اس دنیا میں کیوں ہیں اور ہم کہاں سے آئے ہیں؟ انسانیت کے اندر حصول علم اور تلاش حق کی جو تڑپ موجود ہے وہی ہماری مسلسل علمی جستجو کے لئے جواز مہیا کرتی ہے۔ اور ہمارا ہدف اس سے کم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جس کائنات میں رہ رہے ہیں اس کی مکمل تشریح اور پوری حقیقت جان لیں"

رسول اللہ ﷺ کی دعا اور ایک سائنسدان اور مفکر کے مدعا میں کتنی مشابہت اور کسقدر یکسانیت ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں ہمارے علماء کرام کو چاہئے کہ وہ سائنسی علوم کو غیر دینی سمجھ کر نظرانداز کرنے کی روش بدل لیں۔ سائنسی علوم کا حصول اور کائنات کی تسخیر خلافت ارضی

کے منصب کا اہم تقاضہ ہے۔ اس کے بغیر نہ تو دنیوی شان و شوکت حاصل ہو سکتی ہے نہ ہی معرفت الٰہی۔ اس لئے سائنسی اور صنعتی ترقی کو دوسری قوموں کے ہم پایہ بنانے بلکہ ان سے بھی آگے بڑھانے کے لئے ملی سطح پر متحدہ منصوبہ بندی اور عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ قرون اولی کے مسلمان قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے صلوۃ و زکوۃ کے پابند اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کو محبت کے ساتھ یاد کرتے تھے اور اس جستجو میں کائنات و مافیھا کو اپنے محبوب کی آیات یعنی نشانیاں سمجھ کر مراقبہ و مشاہدہ کے ذریعے ان کی حقیقت جاننے کی سعی کرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں دنیا کی علمی قیادت بھی مسلمان حکماء کے ہاتھ میں رہی۔ ایسے مومنین ہی اولی الالباب کہلاتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

☆ ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب ۔ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار○ (ال عمران 190-191)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں حقیقت کے متلاشیوں کے لئے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ نے اسے بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا۔ آپ پاک ہیں۔ آپ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں"

اس کائنات میں جو اللہ تعالیٰ کی ظاہر اور پوشیدہ آیات ہیں وہ حصول معرفت میں انہی لوگوں کی معاون بنتی ہیں جو اس پر ایمان لا کر اس کی رضا کو اپنا مقصود حیات بنا لیتے ہیں۔ وہ "ذکر اور فکر" دونوں کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی صلاحیت کے مطابق درجہ کمال تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی اسلامی تصوف اور قرآنی فقر کی روح ہے اور اسی سے اہل ایمان دنیا میں بھی امن و امان اور عزت و اکرام کی زندگی گذارتے ہوئے اقوام عالم کی قیادت کا منصب سنبھالتے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہوتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر

فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

یعنی قرآن کا فقر ذکر اور فکر دونوں پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ بلکہ ذکر کی برکات کے بغیر میں نے خالی عقل کو کمال تک پہنچتے نہیں دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کا چراغ اور ذکر کی شمع روشن نہ ہو تب تک اس کی ذہنی قوتوں کو بھی جلا نہیں ملتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ ہی ہے جو اسے خوب سے خوب تر کی جستجو میں آگے ہی آگے بڑھنے پر اکساتا اور حریم کبریا تک پہنچاتا ہے۔ عطارؒ و رومیؒ ہوں یا رازیؒ و غزالیؒ ہوں، سید احمد شہیدؒ ہوں یا شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہؒ ہوں یا پیر مہر علی شاہؒ، علامہ محمد اقبالؒ ہوں یا خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ یا ان کے علاوہ دوسرے اکابرین ملت، سبھی کی فکر و دانش کا کمال اللہ تعالیٰ کے ذکر کی نورانیت کا مرہون منت ہے۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ اسلام میں رہبانیت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ دنیا و مافیہا کو حقیر سمجھ کر قابل التفات نہ جاننا، اس پر تدبر و تفکر نہ کرنا اور اسے تسخیر کر کے زندگی کو سہولت اور قوت سے بھرپور بنانے کی راہ کو چھوڑ دینا اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں۔ اسلام فکر کو یکسر ترک کر کے صرف ذکر میں ڈوب جانے کے لئے خانقاہوں اور زاویوں میں بند ہو جانے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ ذکر کو اولیت دیتے ہوئے فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کر کے انسانیت کی خدمت میں لگانے کی راہ دکھاتا ہے۔ ممانعت اس بات کی ہے کہ مادی دنیا ہی کو اپنا مقصود و مطلوب قرار دے کر اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت کو فراموش نہ کر دینا۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور تصوف کے سلسلوں کے سربراہان یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کی زندگی کی مثالیں ہماری راہنمائی کے لئے موجود ہیں جن میں رہبانیت یا دنیا سے فرار کا شائبہ تک ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔

ایک مومن کے انداز فکر اور طرز حیات میں ترک کی جو صورت مستحسن قرار دی جا سکتی ہے علامہ اقبالؒ نے اس کی توضیح کس خوبی سے فرمائی ہے۔

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

یعنی اسلامی فقر میں کمال ترک حاصل کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ مادی دنیا سے منہ موڑ کر روحانی لذات و کیفیات میں انسان کھو کر جائے۔ بلکہ حقیقی ترک یہ ہے کہ مومن نہ صرف مادی جہان کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگا۔ بلکہ ماورائے مادہ عوالم ہیں انہیں بھی تسخیر کرتا ہوا اپنی منزل قرب و دیدار الٰہی کی جانب بڑھتا چلا جائے۔ کیونکہ کسی چیز سے دور بھاگنے کو فرار کا نام تو دیا جا سکتا ہے لیکن اسے ہم ترک نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اسے حاصل کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی محبت۔ کے مقابلے میں ٹھکرا دینے اور پس پشت ڈال کر آگے بڑھ جانے کا نام ترک ہے۔ جب تک مسلمان قرآن کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر علمی اکتشافات اور سائنسی ایجادات میں بھی دنیا کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہے اقوام علم پر انہی کی سیادت کا جھنڈا لہراتا رہا کیونکہ یہی قانون فطرت ہے۔ جو اس سے منہ موڑے گا زمانہ اسے پیچھے چھوڑ جائے گا۔

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

روحوں سے ملاقاتیں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اولیائے کرام اور سالکین راہ خدا کی نہ صرف خواب میں بلکہ بیداری کی حالت میں بھی ارواح سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ لوگ یوگا' ہپناٹزم اور دیگر روحانی مشقوں کے ذریعے بھی روحوں سے رابطہ کرنے کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ میڈیم کہلاتے ہیں اور ان کے ذریعے لوگ جس روح سے چاہیں بات چیت کر سکتے ہیں۔ یورپی ممالک میں اس مقصد کے لئے سینکڑوں دفاتر اور انجمنیں موجود ہیں۔ ان کے کئی پروگرام ٹیلی ویژن پر بھی دکھائے جاتے ہیں۔ پلانچٹ بورڈ جس پر حروف لکھے ہوتے ہیں اور شیشے کے گلاس کی حرکت سے جو کہ روح کے تصرف سے ہوتی ہے حروف بنتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح بھی ارواح سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہادی و مرشد قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری کی مجالس میں تو زیادہ تر روحانیت کی باتیں ہی ہوتی تھیں۔ روحوں سے ملاقات کے بارے میں راقم السطور نے جو کچھ خود آپ کی زبان مبارک سے سنا صرف اسی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ قارئین فلاح آدمیت کے بارے میں بھی وہ باتیں آ جائیں۔ قبلہ حضرت کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

1۔ حضرت رسالدار

"حضرت رسالدار محمد حنیف خاں شہید تو اکثر میرے ساتھ رہتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے مجھے بیعت نہیں کیا تھا مجھے روحانی بزرگی انہیں کے توسط سے نصیب ہوئی۔ حضرت مولا کریم الدین احمد میرے مرشد تھے لیکن ان سے جو کچھ ملا تھا وہ تو عرصہ پہلے ختم ہو گیا تھا اب تو جو کچھ بھی ہے حضرت رسالدار صاحب ہی کا دیا ہوا ہے۔ جب پاکستان بنا تو وہ آرمی سے ریٹائر ہو چکے تھے لیکن انہوں نے مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ سے ہجرت کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ یہاں ہی شہید ہونا ہے۔ عزیز و اقارب نے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہیں مانے اور بعد میں وہاں ہی شہید ہو

گئے۔ مجھے روحانی طور پر ملے تو معلوم ہوا کہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ پہنچ گئے تو فرمایا کہ ہاں پہنچ گیا ہوں۔ میں ان دنوں کراچی میں مقیم اور بطور لائبریرین ائر فورس میں ملازم تھا۔ رسالدار صاحب جب بھی مجھے ملتے یہی کہتے کہ اگر سکون چاہتے ہو تو بنوں آ جاؤ۔ ان کی محبت آخر کار ہمیں بنوں لے ہی گئی۔ کئی بار ملے تو دور ہی سے سلام دعا کر کے چلے جاتے کہ بھائی جان فرصت نہیں ہے۔ ایک دن میں نے اصرار کر کے روک لیا اور دریافت کیا کہ آخر وہاں کیا کام ہے جو فرصت ہی نہیں ملتی۔ تو رسالدار صاحب نے فرمایا کہ ادھر بھی اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کام پر لگا دیتا ہے اور بے کار نہیں بیٹھنے دیتا۔ میری بھی جنت کے ایک خاص حصے پر ڈیوٹی ہے کہ جو جنتی جس وقت بھی کوئی چیز طلب کرے وہ فوراً اس کو ملنی چاہئے۔ ایک مرتبہ دکھائی دئے تو تمام کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا جیسے کسی نہر سے نکلے ہوں۔ پوچھنے پر فرمایا کہ ایک جہاز طوفان میں گھر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے بچانا ہے۔ چنانچہ اسے سیدھا کر کے طوفان سے باہر نکال کر آ رہا ہوں۔ جب رسالدار بنوں میں تھے تو وہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں ایک خاص جگہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے اور وہاں بیٹھ کر مجھے خوب مزہ آتا ہے۔ رسالدار صاحب تو حلقے کے کئی بھائیوں سے بھی ملتے رہتے ہیں اور ان کی راہنمائی کرتے رہتے ہیں"

(2)۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ

"حضرت خواجہ صاحب تو مجھ سے بہت محنت کرتے ہیں۔ انہوں نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو چلانے کے سلسلے میں میری بہت مدد فرمائی۔ ہمیں تو پیری مریدی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ شروع شروع میں جو بھی ہمارے پاس آتا ہم ایک ہی نظر میں اسے بھر دیتے۔ خواجہ صاحب ملے تو انہوں نے راہنمائی فرمائی کہ ایسا نہ کریں ورنہ یہ بچے خراب ہو جائیں گے۔ مفت میں ملی دولت کی قدر نہیں ہوتی یہ اسے ضائع کر دیں گے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس دولت کو نہ بانٹیں اللہ نے آپ کو دی ہے ضرور بانٹیں لیکن اپنے مریدوں کو خود محبت کرنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی عادت ڈالیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس کام کا کوئی تجربہ نہیں اور نہ ہی ہمارے باپ دادا نے پیری مریدی کی۔ آپؒ نے فرمایا کہ ہمارے تجربہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ ہم نے سلسلہ قائم کیا اور ہزاروں لوگوں کی

تربیت کی۔ ان کو محنت بھی کرائیں اور ساتھ ساتھ مال بھی بانٹیں تاکہ اس کی قدر کریں اور مفت میں برباد نہ کریں۔ چنانچہ ہم نے ہاتھ روک لیا۔ اب کئی پرانے بھائی جب اس بات کا شکوہ کرتے ہیں تو میں کہہ دیتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے جو شکوہ شکایت کرنا ہے خواجہ صاحبؒ سے کرو۔ حضرت خواجہ صاحب کا فرمان بالکل بجا تھا۔ وہ پہلے پہلے لوگ جن کو بے تحاشہ مال ملا تھا ان میں سے چند ایک ہی اسے سنبھال سکیں ورنہ اکثر غرور میں آ گئے اور بگڑ گئے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کی خوب پوجا ہوتی ہے۔ لوگوں کی حاجت روائی بھی ہوتی ہے اور لوگ مزار کو سجدے بھی کرتے ہیں۔ وہ مجھے ملے تو فرمایا کہ میں لوگوں کی ان حرکتوں سے بہت نالاں ہوں۔ میرے رشتے میں ایک ماموں تھے۔ ان کی بینائی کمزور ہو گئی تو انہوں نے اجمیر شریف مزار پر فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب اور نظر کی بحالی کی دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے تو اوپر سے کاغذ کا ایک ٹکڑا آتا ہوا ان کے ہاتھوں میں آ گرا۔ آپ نے اسے دیکھا تو اس میں سرمے کا ایک نسخہ درج تھا۔ انہوں نے اسے استعمال کیا تو نظر ٹھیک ہو گئی۔ بعد میں ایک مرتبہ پھر مزار کی پوجا کے بارے میں حضرت خواجہ صاحب اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما رہے تھے تو میں نے ماموں جان والے سرمے کے نسخہ والا واقعہ سنایا اور کہا کہ اس قسم کی حرکتیں کرتے ہو تو لوگ پوجیں گے نہیں تو اور کیا کریں"

3۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

راقم الحروف ایک مرتبہ گنبد والی کوٹھی گلبرگ لاہور میں قبلہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے پاس ایک بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت صاحبؒ نے تعارف کروایا کہ یہ پروفیسر محبوب فرید ترمذی صاحب ہیں۔ کچھ دیر بعد ترمذی صاحب چلے گئے تو باباجیؒ نے ارشاد فرمایا۔

"ترمذی صاحب بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں اور قادریہ سلسلے میں ان کی اپنی گدی بھی ہے اب ہمارے پاس آنا شروع کیا ہے۔ ان کی بہت بڑی سفارش آئی ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ تشریف لائے تھے اور فرما گئے کہ ہمارے اس کشمیری پنڈت کا خیال رکھیں۔ میں نے کہا کہ ہم تو پہلے بھی خیال رکھ رہے ہیں اب خاص خیال رکھیں گے وہ انہیں کشمیری پنڈت کہتے ہیں پتہ نہیں کیوں"

ایک مرتبہ آپ عوام الناس میں مشہور بزرگوں کی کرامتوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ آپ نے

ارشاد فرمایا۔۔ "اصل واقعہ کچھ اور ہوتا ہے لیکن لکھنے والے اور قصہ خواں حضرات اسے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ کے بارے میں جو بارہ برس کی ڈوبی ہوئی روایتی کشتی نکالنے والی کرامت مشہور ہے اس کی حقیقت مجھے غوث الاعظمؒ نے خود بتائی۔ ایک ملاقات میں آپ نے بتایا کہ بغداد شہر سے ایک بارات کشتی کے ذریعے دریا پار کسی قصبے کے لئے روانہ ہوئی۔ وہاں شادی کی تقریبات سے فارغ ہونے کے بعد شام کو دلہن سمیت واپسی کا سفر شروع ہوا۔ دریا کے سفر کے دوران میں ہی انہیں بحری قزاقوں نے گھیر لیا اور تمام مسافروں سمیت کشتی کو اغوا کر کے لے گئے۔ مال و دولت لوٹ لئے اور انسانوں کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ اس طرح کسی کو خبر نہ ہوئی کہ اس بد قسمت کشتی کے مسافروں کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ جب رات گئے تک بھی بارات واپس نہ آئی تو گھر والوں کو تشویش لاحق ہوئی۔ اگلی صبح چند آدمی دلہن والوں کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بارات تو شام کو کشتی میں سوار ہو کر بغداد کے لئے روانہ ہو گئی تھی ان حالات میں یہی گمان کیا گیا کہ کشتی منجدھار میں آکر ڈوب گئی ہو گی اور کوئی بھی زندہ سلامت نہیں بچا۔ دلہا کی ماں چیختی چلاتی اور روتی ہوئی میرے پاس آئی کہ میرا تو ایک ہی بیٹا تھا میں نے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا اور بڑے چاؤ سے اس کی شادی کی اور اب وہ غائب ہو گیا ہے۔ آپ دعا کریں کہ میرا بیٹا اور دلہن گھر سلامت لوٹ آئیں۔ میں نے اس کے لئے دعا کر دی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے منظور فرمالی اور میں نے اس بڑھیا کو بشارت دے دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مراد ضرور برلائے گا۔ اس واقعہ کے تقریباً بارہ برس بعد وہ دلہا اور دلہن جو غلام بنا لئے گئے تھے بکتے بکاتے بغداد کی منڈی میں فروخت کے لئے لائے گئے۔ اتفاق سے وہاں ایک ایسا نیک دل مخیر انسان موجود تھا جو کشتی کے گم ہو جانے کے واقعہ سے آگاہ اور دلہا اور دلہن دونوں کو پہچانتا تھا اس نے ان دونوں کو خرید لیا اور اس بڑھیا کے گھر پہنچا دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی بشارت بارہ برس بعد پوری ہو گئی۔ یہ تھا اصل قصہ اور حضرت غوث پاک کی کرامت کی حقیقت جسے عجیب و غریب داستان بدل دیا گیا۔

4- میڈیم اور پلانٹ

ایک مجلس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "روحوں سے ملاقات اور بات چیت بڑا دلچسپ مشغلہ

ہوتا ہے۔ بہت سے دوست اسی کو بزرگی جان کر پھنس جاتے ہیں اور آگے ترقی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم ان اشغال سے دور رہنے ہی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ جب ہم کراچی میں تھے تو ماری پور میں رہنے والے ائیر ہیڈ کوارٹرز کے ایک ملازم کے گھر ہم سب پیر بھائی اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ وہ روحوں کو بلا لیتے تھے اور ہم ان سے بات چیت کر کے محظوظ ہوتے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں حضرت رابعہ بصریؒ کی روح مبارک خود ہی آ گئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے کیسے زحمت فرمائی تو کہنے لگی میں یوں ہی گذر رہی تھی تو بہت دور سے مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ کے چند مسافروں کی مجلس دکھائی دی تو جی چاہا کہ میں بھی ان کے پاس تھوڑی دیر کے لئے رک جاؤں۔ میں نے عرض کیا کہ ان بچوں کو کچھ نصیحت فرمائیں تو انہوں نے چوہدری غلام قادر کی اصلاح کے لئے چند باتیں ارشاد فرمائیں اور چلی گئیں۔ ہمارے ایک دوست پلانچٹ کے ذریعے ارواح سے رابطہ کا فن جانتے تھے۔ ایک مجلس میں ہم نے کہا چلو آج تھوڑا سا یہ شغل بھی ہو جائے۔ ارواح کے بلانے کے لئے اُصول یہ ہوتا ہے کہ میڈیم یا عامل کا جو روحانی مرتبہ ہوتا ہے وہ اس کے اندر والی ارواح ہی کو بلا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس محفل میں کوئی اللہ والا بزرگ بیٹھا ہو تو پھر اس کے احترام میں طبقات بالا کی ارواح بھی آ جاتی ہیں۔ چنانچہ اس روز بھی بڑے بڑے بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔ حضرت بایزید بسطامیؒ آئے تو میں نے کہا کہ اگر آپ میرے زمانے میں ہوتے تو میں آپ پر سخت تنقید کرتا کہ آپ دنیا کو ترک کر کے جنگلوں اور صحراؤں میں پھرتے رہے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ اپنے بس میں تھوڑا ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ دنیا والوں کی صحبت برداشت کرنا ناممکن ہو گیا۔ آپ نے برداشت کر لیا تو آپ نے یہاں رہتے ہوئے بھی مراد حاصل کر لی۔ حضرت رسالدارؒ سے بھی بات چیت ہوئی۔ مولانا کریم الدین احمدؒ بھی تشریف لائے اور فرمایا "سناؤ بھائی کیسے ہو"؟ میں نے عرض کیا کہ آپ تو میرے مرشد ہیں اور آپ مجھے بھائی فرما رہے ہیں۔ اس پر ارشاد ہوا کہ مرشد تو دنیا میں تھے اب تو تم ہمارے بھائی بلکہ بڑے بھائی ہو۔ حضرت داتا گنج بخشؒ بھی تشریف لائے۔ ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد آپ نے فرمایا۔ "انصاری صاحب آپ توحید کی جس شاخ بلند پر فائز ہیں اس کے اوپر بھی کئی لوگ ہیں"۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ابھی تو کافی عمر پڑی ہے جب انجام ہو گا تو دیکھیں

گے کہ کون کہاں کہاں ہے تعجب کی بات ہے کہ اسی مجلس میں مرزا غالب بھی آدھمکے۔ میں نے کہا کہ مرزا صاحب آپ کو تو پینے پلانے ہی سے فرصت نہیں ملتی ہو گی آپ کیسے آ گئے۔ تو کہنے لگے کہ آپ بھی پلا دیں۔ میں نے آنکھیں بند کیں اور کہا کہ ٹھیک ہے لو پیو۔ تو خوش ہو کر فرمایا کہ مزہ آ گیا"

5۔ روحانی گائیڈ

غالباً 1969ء کا سال تھا کہ یہ فقیر اپنے مرشد کی خدمت میں گلبرگ لاہور میں حاضر ہوا۔ میں پی اے ایف سرگودھا سے صرف ایک دن کی چھٹی لے کر گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک نئی کتاب "حقیقت وحدت الوجود" لکھ رہا ہوں اور اس کا مسودہ تیار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے ایک مرتبہ پڑھ لیں تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو کاتب کو دینے سے پہلے درست کر لی جائے۔ لیکن میں اسے آپ کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ آپ اسے یہاں ہی پڑھ لیں یہ چھوٹی سے کتاب ہے۔ میں نے چند گھنٹوں ہی میں مسودہ پڑھ لیا اور چند جگہوں پر آپ سے اصلاح کروالی۔ ایک خاص بات جو کہ مسودہ میں موجود تھی لیکن جب کتاب چھپی تو آپ نے بوجوہ اسے نکال دیا وہ یہ تھی "مولانا کریم الدین احمدؒ کی وفات کے بعد جب حضرت رسالدار صاحبؒ سے میری ملاقات ہوئی تو اس مرتبہ میرا سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔ میں ہر چیز کو اچھی طرح دیکھتا اور سمجھتا ہوا آگے بڑھا۔ وہاں ایک روحانی گائیڈ ملتا ہے۔ مجھے جو گائیڈ ملے وہ کوئی تین سو برس پہلے فوت ہوئے اور نیشاپور کے رہنے والے تھے (ان کا نام بھی لکھا تھا جو اب مجھے یاد نہیں رہا) وہ بہت بڑے بزرگ تھے لیکن دنیا میں انہیں کوئی نہیں جانتا تھا یعنی وہ بالکل مشہور نہیں تھے"

(خالد مسعود توحیدی)

1- پریم پتر

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1961-3-3)

"پریم پتر ملا۔ چلو چھوڑو اگر لاہور میں ملاقات نہ ہو سکی تو پھر کبھی ہو ہی جائیگی"

2- موٹا آپ کی طرح

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 4/6/1966)

"صحت اچھی ہے خوب موٹا ہو رہا ہوں آپ کی طرح"

3- بیمار کی خدمت

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 9/9/1964

"میں نے بھی پرسوں قاسمی صاحب کو ایک خط لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلدی انکو صحت کامل عطا فرمائے۔ بہت فکر ہے۔ آپ کا شکریہ کہ ان کی خدمت کر رہے ہیں اور بھائی بھی خبر گیراں ہیں۔ سبحان اللہ"

4- حلقوں کی کیفیت

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 31/1/71)

"بشیر مرزا اور راجہ علی اکبر کراچی گئے تھے ہر جگہ حلقوں میں گئے اور نئے سرے سے سب حلقوں میں جان پڑ گئی اور جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ پنڈی کی بابت سن کر بھی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنا قرب عطا فرمائے اور مسلمانوں کی خدمت کرائے۔ ملتان کے حلقہ کا کام اچھا نہیں ہے۔ کبھی جائیں تو ان کو بھی Set کر دیں"

5۔ آستانہ شریف کا نقشہ

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 31/1/71)

"آستانہ شریف کے نقشہ کا انتظار تھا وہ بھی مل گیا۔ ماشاء اللہ بہت اچھا بنایا ہے۔ ابھی زیر غور ہے ہفتہ عشرہ بعد اطلاع دیں گے۔ رضا صاحب اور عزیز صاحب کے لئے دعا گو ہوں۔ اللہ انہیں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین"

6۔ پنڈی والوں پر پریم

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 14/2/1962)

"تمہارا خط پڑھ کر پنڈی کے حلقہ والوں پر بہت پریم آیا۔ اللہ سب کو دین و دنیا دونوں خوب عطا فرمائے۔ آمین

7۔ اللہ خوب مدد فرمائے گا

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 15/9/1962)

"ریاض حسین کا خط آیا تھا وہ ابھی تک بیکار ہے۔ اچھا ہوا اور لوگ بھی چلے گئے۔ اب آپ اپنا حلقہ مقامی آدمیوں کا بنائیں۔ اللہ مدد فرمائے گا"

8۔ آدمی کی ضرورت تھی

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 21/8/1964)

"سارجنٹ مرتضیٰ کوہاٹ آ گئے ہیں۔ کوہاٹ میں ایک آدمی کی ضرورت تھی جو حلقہ سنبھالے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو کامیاب نہیں کیا"

9۔ بھائیوں سے رابطہ

(بنام محمد قاسم صاحب 23/2/1965)

"حکیم مختار صاحب کا کچھ پتہ نہیں۔ لکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اب تو وہ ہمارے حلقہ میں ہیں ان سے CutOff نہیں رہنا چاہیئے"۔

10۔ حلقہ فنڈ رپورٹ

(بنام محمد قاسم صاحب 22/5/1965)

"امید ہے چندہ آپ نے ستار صاحب کے نام بھیج دیا ہوگا۔ غیور نے کچھ چندہ اکٹھا کیا تھا وہ اس سے لے لیں اور لے کر بھیج دیں اور مجھے لکھ دیں۔ اگر نہ دے تو بھی لکھ دیں۔ لاہور کا مجھے یاد نہیں کب تک کا آیا ہے۔ بہرحال آپ بھیج دیں ہم ایڈجسٹ کر لیں گے"

11۔ بے پروائی اچھی نہیں

(بنام مخدوم ریاض حسین 26/1/1962)

"حلقہ کا بہت روپیہ تقریباً چار ہزار قرضہ میں لگا ہوا ہے۔ لوگ دیں تو دوسروں کو دیا جائے ورنہ نہیں۔ آپ کی طرف اب بھی -/110 روپے باقی ہیں یہ بے پروائی اچھی بات نہیں خصوصاً اللہ والوں کے لئے"۔

سلوک اور اس کے عملی طریقے

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

تفکر بالمراقبہ

مراقبہ کے معنی حفاظت و نگہبانی کے ہیں۔ لیکن حکمت و عرفان میں اصطلاحاً" دماغ میں کسی خیال یا تصور کے اس طرح قائم کرنے کو کہتے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی خیال یا تصور باقی نہ رہے۔ تفکر بالمشاہدہ میں ہم اشیاء کی شکل و صورت پر غور کرتے ہیں مگر تفکر بالمراقبہ میں اشیاء یا اسماء کے حقیقت اور معنویت پر غور و فکر کیا جاتا ہے' مثلاً" تفکر بالمشاہدہ میں ہم برف کو دیکھ کر اس کی چمک دھمک اور سفید رنگ کی شوخی اور خوبصورتی کے تصور میں محو ہو جائیں گے' لیکن تفکر بالمراقبہ میں برف کی کسی صفت مثلاً" سردی کا تصور اس انہماک سے کریں گے کہ آخر کار ہمیں سردی محسوس ہونے لگے گی خواہ اس وقت گرمی ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو۔

یہ ضروری ہے کہ مراقبہ مرشد کی ہدایت کے بغیر نہ کیا جائے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کس کے لئے کون سے اسم یا آیت کا مراقبہ زیادہ مناسب ہو گا۔ بہت سے طالب نفی ماسویٰ ہی میں وہ کمال حاصل کر لیتے ہیں کہ انہیں مراقبہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ مراقبہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ کشف حاصل ہو جائے' روحیں نظر آنے لگیں اور عالم مثال کا مشاہدہ میسر آ جائے اور یہ سب باتیں قطع ماسویٰ میں ہی بعض سالکوں کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ مبادیات مراقبہ یہ ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اسماء صفات میں سے کسی اسم کا مراقبہ کیا جائے' جب اس میں دستگاہ ہو جائے تو قرآن کی کسی آیت کا' پھر اسم ذات کا' پھر فنا کا وغیرہ وغیرہ۔

مراقبہ کے لیے ضروری نہیں کہ اسی طرح بیٹھو جس طرح نماز میں بیٹھتے ہو بلکہ اس طرح بیٹھنا چاہئے جس میں تکلف اور تکلیف نہ ہو اور ایسے وقت اور ایسی جگہ بیٹھو کہ شور و شغب نہ ہو اور دھیان نہ بٹے۔ طریقہ یہ ہے کہ مراقبہ کے لئے وہ لفظ منتخب کرو جو تمہارے دل کو سب سے پیارا لگتا ہے مثلاً" یا رحیم۔ اب پاس انفاس بند کر دو اور "یا رحیم" کا ورد شروع کرو لیکن لفظ رحیم کا

خیال رکھنے کی بجائے اس کے معنی کا خیال کر کے، اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کو ہر چیز میں خیال کی مدد سے دیکھنے کی کوشش کرو۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ کچھ دن میں رحمت کا عام مفہوم دماغ اور قلب میں پیوست ہو جائے اور اسم غائب ہو کر مسمی باقی رہ جائے، پھر قرآن کی کوئی آیت چنو مثلاً"

وهومعكم اينما كنتم

(یعنی تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے)

اب اس کا ورد معنوں کا خیال رکھتے ہوئے اس قدر کثرت سے کرو اور اس کے معنوں میں اس قدر مستغرق ہو جاؤ کہ آیت کے الفاظ کی طرف خیال ہی نہ جائے لیکن معنی دل کی آنکھوں کے سامنے روشن ہو جائیں۔

فناء کے مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ خلاء محض کا تصور دماغ میں قائم کرو اور اس قدر کوشش کرو کہ خلاء کے بیچ میں جو آفرینش ہے اس کا خیال بھی باقی نہ رہے حتیٰ کہ خود اپنا وجود بھی نفی ہو جائے ۔ اب جو تصور حاصل ہوا ہے وہ خلا یا عدم کا ہے۔ اب اس تصور کو اتنا بڑھاؤ کہ خود تصور کا احساس بھی جاتا رہے، فنا حاصل ہو جائے گی۔

ایک مراقبہ کشف قبور کا بھی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی قبرستان میں رات کی تنہائی میں بیٹھ کر مردے کے جسم کا تصور کرو اور

سبوح قدوس ربنا ورب الملائکته والروح

کی ان گنت تکرار کرو اور لفظ روح کو خوب دل و دماغ میں جماؤ۔ ارتکاز خیال کامل ہونے پر اس مردے کا جسم نظر آنے لگے گا اور رفتہ رفتہ تمام قبرستان کے مردے بھی ممکن ہے نظر آ جائیں ۔ روحوں کو بلانے اور دعوت دینے اور مستقبل کی باتیں معلوم کرنے کے لئے بھی مراقبے کئے جاتے ہیں ۔ چونکہ یہ باتیں ہماری رائے اور تجربہ میں سالکوں کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچایا کرتی ہیں، اس کے علاوہ عام تصوف کی کتابوں میں موجود ہیں، اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا جاتا۔

اب ہم خدمت خلق کا ذکر کرتے ہیں جو حاصل ہے تمام جدوجہد و ریاضت اور سلوک کا۔ ظاہر ہے کہ تم کتنے ہی بڑے ولی اللہ بن جاؤ اگر تم سے دنیا کو فیض نہ ہو تو تمہاری ولایت صرف

تمہارے ذاتی فائدے کے لئے ہے اور تم کسی حالت میں نائب رسول کہلانے کے مستحق نہیں ' کیونکہ نبی مبعوث ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ خلق خدا کو زندگی بسر کرنے کے ایسے طریقے بتائیں جن پر عمل کرنے سے دنیا اور عقبیٰ دونوں میں کامرانی نصیب ہوتی ہے۔

۱۰۔ خدمت خلق

اگر طالب صادق اور محنتی اور مرشد کامل ہو تو اوپر بتایا ہوا سارا نصاب زیادہ سے زیادہ تین سال میں مکمل ہو جاتا ہے ورنہ تیس چالیس برس میں بھی نہیں ہو سکتا۔ معرفت الٰہی حاصل ہونے کے بعد دنیا اور کائنات کی تمام اشیاء اور خصوصاً" انسانی فطرت کی معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور عقل سلیم بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اخلاق میں کامل ہوتا ہے ' وہ انفراداً" اور اجتماعاً" انسانی فطرت کو اوروں سے کہیں زیادہ سمجھتا ہے ' اس لئے زندگی کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو آسانی سے حل کرنے اور عوام کے اخلاق کی اصلاح کرنے کا اہل اس سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ قرن اول میں ملت کے رہنماء ' قائد ' افسر اور جنرل ایسے ہی لوگ تھے۔ اسی سے اس زمانے میں اس قدر ترقی ہوئی ' آج کل کے لیڈر اور افسر جیسے ہیں آپ کے سامنے ہیں۔ خدمت خلق میں ایک معمولی سی بات سے لیکر انتہائی قربانی اور ایثار تک سب کچھ شامل ہے مثلاً" کسی کو راستہ بتانا ' راستہ کو کانٹوں اور پتھروں سے صاف کر دینا ' کسی کا بوجھ اٹھا دینا ' بھوکے اور ننگے کو روٹی کپڑا دینا ' بیماروں کی تیمار داری اور علاج کرنا ' بے علموں کو علم حاصل کرنے میں مدد دینا ' ان سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی کو اس قابل بنا دینا کہ وہ معیشتی لحاظ سے اپنی زندگی آرام سے گزار سکے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا راستہ بتانا اور قرآن کریم کی تعلیم میں اس طرح کامل کر دینا کہ اس کی زندگی دنیا اور عقبیٰ دونوں میں کامیاب رہے۔ نبی یہی سکھاتے تھے اسی لئے ان کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔

خدمت خلق کی دو صورتیں ہیں ' ایک انفرادی دوسرے اجتماعی۔ زیادہ افضل اور اشرف کام وہ ہیں جن سے انسانوں کی بڑی سے بڑی جماعتوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے مثلاً" بیماروں کے مفت علاج کی غرض سے اعلیٰ درجے کے ہسپتال کھولنا ' عوام کی معمولی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کتب خانے ' سکول اور کالج قائم کرنا ' سائنس کی ترویج کے لئے معمل یعنی لیبوریٹریاں بنانا ' بینک اور ایسے صنعتی

ادارے اور کارخانے قائم کرنا جن کی وجہ سے قوم میں دولت کی ریل پیل ہو جائے۔ یہ سارے کام دراصل قومی امراء کے فرائض میں شامل ہیں، متمدن ممالک اور زندہ قوموں میں یہ سب کام قوم خود کرتی ہے، حکومت کے ذمہ تو صرف ایڈ منسٹریشن، انصاف اور دفاع کا کام ہوتا ہے، مگر اسلامی ممالک کی قومیں روٹی کے ٹکڑے تک کے لئے گورنمنٹ کے آگے ہاتھ پھیلانے کے عادی ہیں۔ جن قوموں کے امراء اپنے ذمہ یہ کام لے لیتے ہیں وہ قومیں ترقی کرتی چلی جاتی ہیں جیسا کہ یورپ، امریکہ، جاپان اور آخر میں ہندوستان کے ہندو سیٹھوں نے کرکے دکھایا۔ مسلمانوں میں بھی ہزاروں لکھ پتی، سینکڑوں کروڑ پتی اور بیسیوں عرب پتی ہیں، لیکن یہ لوگ سارا روپیہ اپنی ذاتی آسائشوں اور عیاشیوں پر ہی خرچ کرتے ہیں، قومی خدمت کا خیال بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔ قرآن دولت کمانے سے ہرگز منع نہیں کرتا لیکن دولت کو جمع کرکے رکھنے یا صرف ذاتی عیش و عشرت پر صرف کرنے کو ضرور منع کرتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ آیت ۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے کہ "روپیہ اور دولت زمین میں گاڑ رکھنے والوں کو عذاب ہے جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے" یہ راہ خدا کیا چیز ہے؟ قوم کی فلاح و بہبودی۔ قرآن میں فرماتے ہیں۔

اقرض اللہ قرضا" حسنتہ

"کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتا ہے" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے روپیہ وغیرہ قرض لینے کی ضرورت نہیں وہ کسی حیثیت سے بھی کسی کا محتاج نہیں ہے لہٰذا اس قرض سے اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں کہ قوم کی فلاح و بہبود اور دفاع و ترقی پر روپیہ خرچ کرو، کیونکہ ملت کی بقاء ہی سے اسلام کی بقا ہے، پھر ہمارے امراء کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ان کی ہستی بھی قوم کی ہستی پر منحصر ہے، قوم ترقی کرے گی، تو وہ بھی ترقی کریں گے، قوم تباہ ہو جائے گی تو وہ بھی تباہ ہو جائیں گے، اگر کوئی دشمن ملک پر قبضہ کرلے تو سب سے پہلے ان کو لوٹے گا، اس لئے قوم کو مضبوط اور طاقتور رکھنے میں انہی کا فائدہ ہے۔

ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

جو لوگ اوپر بتائے گئے طریقوں کے مطابق ایمان محکم حاصل کرتے اور کردار انسانی کی تکمیل

کرتے ہیں ان کو روپیہ پیسہ ہرگز اتنا عزیز نہیں ہوتا کہ قوم کو ضرورت ہو اور وہ اپنے خزانوں کو سانپ کی طرح کلیجے سے لگائے بیٹھے رہیں۔ ایسے لوگ روپیہ ہی نہیں اپنی املاک، اپنے بیوی بچے اور جان سب کچھ بوقت ضرورت اللہ یعنی قوم پر قربان کر دیتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کے صحابیؓ ایسے ہی تھے۔ سلوک کے طریقوں کا بیان ختم ہوا، اب ہم بتائیں گے کہ دوران سلوک میں کیا کیا کچھ نظر آتا ہے، کیا کوائف وارد ہوتے ہیں، کون سی منازل اور طبقات سے گزرنا ہوتا ہے اور سلوک کا ماحاصل کیا ہے؟

ان باتوں کو آسانی سے سمجھانے کے لئے ہم نے چار دور قائم کئے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ ہر سالک کو ہر چیز ضرور ہی نظر آئے یا اسی ترتیب سے نظر آئے یا حاصل ہو جو ہم نے قائم کی ہے۔ ظاہری صورت و شکل اور عادات و اطوار کی طرح سالکوں کی روحانی استعداد بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے ان کے حصول درجات کی ترتیب اور کوائف بھی ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں۔

حصول درجات کے جو چار دور ہم نے مقرر کئے ہیں، ان میں جابجا روحانی سفر اور ان مقامات کا ذکر آتا ہے جہاں سے روح گزرتی ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان ادوار چہار گانہ کا ذکر کرنے سے پہلے اس عالم روحانی اور اس کے طبقات وغیرہ کا کچھ ذکر کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو قلیل علم روح کا ہم کو عطا فرمایا ہے اس کی بناء پر کچھ حال روح کا بھی لکھ دیا جائے تاکہ قارئین کی سمجھ میں ہمارا مفہوم و مطلب اچھی طرح آجائے۔

سسٹر امینہ (امریکہ)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

محترمہ امینہ جنان کا تعلق امریکہ سے ہے۔ انہوں نے 1977ء میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس سے قبل وہ امریکہ کے سنڈے سکولوں میں عیسائیت کی تعلیم دیا کرتی تھی۔ قبول اسلام کے بعد انہیں غیر معمولی قسم کی قربانیاں دینی پڑیں، مگر انہوں نے کسی موقع پر حوصلہ مندی اور استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا چنانچہ اپنے بے پناہ حلم، شفقت، خوش طبعی، حسن اخلاق اور انسانی احترام کی وجہ سے وہ اپنے حلقہ تعارف اور خواتین میں SMILINGLADY یعنی متبسم خاتون کے لقب سے یاد کی جاتی ہیں، اسی خوش خلقی اور کریم النفسی کی وجہ سے لوگ انہیں عقیدت سے سسٹر امینہ کہتے ہیں اور حالانکہ گزشتہ دو برس سے ان کی ریڑھ کی ہڈی میں درد ہے اور بیساکھیوں کا سہارا لینے پر مجبور ہیں، مگر نہ تو وہ نماز پنج وقتہ کو قضا ہونے دیتی ہیں اور نہ دین حق کی تبلیغ میں کوتاہی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اس معذوری کے باوجود ہزاروں میل کا سفر طے کر کے فروری 90ء میں پاکستان آئیں اور اسلام پر اپنے محکم یقین سے بے شمار خواتین اور مردوں کو متاثر کر گئیں۔ وہ ایک باعمل خاتون ہیں اور قرآن و سنت کے ایک ایک حکم کو بجالانے کی کوشش کرتی ہیں۔ سفر پاکستان میں ان کے ساتھ ان کا دس سالہ بیٹا "محمد" بھی تھا جو بڑا ذہین اور حساس بچہ ہے اور سسٹر امینہ اس کی اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت کر رہی ہیں۔

محترمہ موصوفہ نے مختلف مواقع پر اپنے قبول اسلام کی وجوہ بیان کی ہیں میں نے اس نوعیت کے تین مختلف مضامین سے استفادہ کر کے ذیل کی خود نوشت مرتب کی ہے۔ ان میں سے مفصل مضمون مس منور صادق کا ہے جو مجھے میرے بزرگ اور مہربان دوست کنور سعید اللہ خاں صاحب (سرگودہا) نے فراہم کیا۔ میں اس کے لئے کنور صاحب اور مس منور صادق دونوں کا ممنون ہوں۔

میں جنوری 1945 میں امریکہ کی ریاست لاس اینجلس کے علاقہ ویسٹ میں پیدا ہوئی۔ میرے

والدین پروٹسٹنٹ عیسائی تھے اور ننھیال و ددھیال دونوں طرف مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ میں اسکول کے آٹھویں گریڈ میں تھی۔ خصوصاً" بائبل سے مجھے خاص دلچسپی تھی اور اس کے بہت سے حصے مجھے زبانی یاد تھے۔ اس سلسلے میں میں نے متعدد انعامات بھی حاصل کئے۔ میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی اور ویمن لبریشن موومنٹ (تحریک آزادی نسواں) کی پر جوش کارکن تھی۔

ہائی اسکول کی تعلیم ختم ہوئی تو میری شادی ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی میں ماڈلنگ کے پیشہ سے منسلک ہو گئی۔ خدا نے مجھے اچھی شخصیت عطا کی تھی اور میں خوب محنت کرتی تھی' اس لئے میرا کاروبار خوب چمکا۔ پیسے کی ریل پیل ہو گئی۔ شوفر' بہترین گاڑیاں غرض آسائش کا ہر سامان میسر تھا۔ حالت یہ تھی کہ بعض اوقات ایک جوتا خریدنے کے لئے میں ہوائی سفر کر کے دوسرے شہر جاتی تھی۔ اس دوران میں میں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں بھی بن گئی' مگر سچی بات ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کر دیا' دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کر لی اور مختلف تعلیمی اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضاکارانہ خدمات انجام دینے لگی اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ خیال تھا کہ اس بہانے شاید روح کو کچھ سکون ملے گا۔ اس وقت میری عمر تیس سال تھی۔

اسے خوش قسمتی ہی کہئے کہ مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ مل گیا جس میں سیاہ فام اور ایشیائی طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ بڑی پریشان ہوئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان میں خاصے لوگ مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے سخت نفرت تھی۔ میرے نزدیک' عام یورپین آبادی کی طرح' اسلام وحشت اور جہالت کا مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب' عیاش' عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مورخ یہی کچھ لکھتے آ رہے ہیں۔ بہر حال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی۔ پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں ایک مشنری ہوں' کیا عجب کہ خدا نے مجھے

ان کافروں کی اصلاح کے لئے یہاں بھیجا ہو اس لئے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے' چنانچہ میں نے صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا' تو حیرت میں مبتلا ہو گئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دیگر سیاہ فام نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ شائستہ' مہذب اور باوقار تھے۔ وہ عام امریکی نوجوانوں کے برعکس نہ لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند کرتے نہ آوارگی اور عیش پسندی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی' ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی تو وہ بڑے وقار اور احترام سے ملتے اور بحث میں الجھنے کے بجائے مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔

میں نے اپنی کوششوں کو یوں بیکار جاتے دیکھا تو سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ اس کے نقائص اور تضادات سے آگاہ ہو کر مسلمان طالب علموں کو زچ کر سکوں' مگر دل کے گوشے میں یہ احساس بھی تھا کہ عیسائی پادری' مضمون نگار اور مورخ تو مسلمانوں کو وحشی' گنوار' جاہل اور نہ جانے کن کن برائیوں کا مرقع بتاتے ہیں' لیکن امریکی معاشرت میں پلنے بڑھنے والے ان سیاہ فام مسلمان نوجوانوں میں تو ایسی کوئی برائی نظر نہیں آتی بلکہ یہ باقی سب طلبہ سے مختلف و منفرد پاکیزہ رویے کے حامل ہیں' پھر کیوں نہ میں خود اسلام کا مطالعہ کروں اور حقیقت حال سے آگاہی حاصل کروں۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے عیسائیت پر غور و فکر کے دوران اور بائبل کے مطالعے کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوتے تھے' مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا اور یہی تشنگی روح کے لئے مستقل روگ بن گئی تھی۔۔ مگر قرآن پڑھا تو ان سارے سوالوں کے ایسے جواب مل گئے جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے۔ مزید اطمینان کے لئے اپنے کلاس فیلو مسلمان نوجوانوں سے گفتگوئیں کیں' تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔

مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا' تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکہ مصنفین کے پروپیگنڈے کے بالکل برعکس حضور ﷺ بنی نوع

انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں۔ خصوصاً انھوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا' اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔۔۔ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے' ورنہ میں طبعاً بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی چنانچہ میں نے پڑھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ خود بھی بے حد حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لئے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے ہیں' تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے عین مطابق پایا۔ پھر حضور ﷺ نے عورت کا درجہ جس درجہ بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ "جنت ماں کے قدموں میں ہے" اور آپ کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ عورت نازک آبگینوں کی طرح ہے اور تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے میں مطمئن ہو گئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے اور اپنے مسلمان کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے' تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا' تو وہ 21 مئی 77ء کو میرے پاس چار ذمہ دار مسلمانوں کو لے آئے' ان میں سے ایک ڈینور (DENVER) کی مسجد کے امام تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے چند مزید سوالات کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔

میرے قبول اسلام پر پورے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی۔ ہمارے میاں بیوی کے تعلقات واقعی مثالی تھے اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا' مگر میرے قبول اسلام کا سن کر اسے غیر معمولی صدمہ ہوا۔ میں اسے پہلے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی اور اب پھر سمجھانے کی بہت سعی کی' مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار پائی۔

میرے والد بھی مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے' مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد برافروختہ ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شاٹ گن لے کر میرے گھر آ گئے تاکہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ مگر خدا کا

شکر ہے کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔ میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی' اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹی ٹیوٹ میں داخل کرانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کی' لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور تھوڑی سی تاخیر ہو گئی' تو مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا فرم والوں کے نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا۔ وہ دماغی طور پر بھی نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ جب کہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کے تحت مقدمے کے فیصلے تک میری ساری جمع پونجی منجمد کر دی گئی تھی۔ ملازمت بھی ختم ہوئی' تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار رب جلیل کے حضور سر بسجود ہو گئی اور گڑ گڑا کر خوب دعائیں کیں۔ اللہ کریم نے میری دعائیں قبول فرمالیں اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹرسیل پروگرام میں ملازمت مل گئی اور میرے معذور بیٹے کا بھی بلا معاوضہ علاج بھی ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا اور اللہ کے خاص فضل سے یہ آپریشن کامیاب رہا۔ بچہ تندرست ہو گیا اور میری جان میں جان آئی۔ لیکن آہ ابھی آزمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔ عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل رہا تھا۔ آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے "جمہوری" ملک کی آزاد عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو تو اسلام سے دستبردار ہونا پڑے گا کہ اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہو گا اور تہذیبی اعتبار سے انہیں نقصان پہنچے گا۔

عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گئی زمین آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے' مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا اور میں نے دو ٹوک انداز میں عدالت کو کہہ دیا کہ میں اپنے بچوں سے جدائی گوارا کر لوں گی مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کر لیا اور تبلیغ دین میں منہمک ہو گئی نتیجہ یہ کہ ساری محرومیوں کے باوجود میں ایک خاص قسم کے سکون و اطمینان سے سرشار رہی۔ مگر میرے خیر خواہوں نے اصرار کے ساتھ مشورہ دیا کہ مجھے کسی باعمل مسلمان سے عقد ثانی کر لینا چاہئے کہ عورت کے لئے تنہا زندگی گزارنا مناسب و مستحسن نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مراکشی مسلمان کی طرف سے نکاح کی پیشکش ہوئی تو میں نے قبول کر لی۔ یہ صاحب ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے' قرآن خوب خوش الحانی سے پڑھتے اور سننے والوں کو مسحود کر دیتے۔ میں دین سے ان کے گہرے تعلق سے بہت متاثر ہوئی اور ان سے نکاح کر لیا۔ عدالت نے میری رقوم و گزار کردی تھیں چنانچہ میں نے اپنے خاوند کو اچھی خاصی رقم دی کہ وہ اس سے کوئی کاروبار کریں' مگر وائے ناکامی کہ شادی کو صرف تین ماہ گزرے تھے کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی۔ اس نے کہا مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں' میں تمہارے لئے سراپا احترام ہوں' مگر اکتا گیا ہوں' اس لئے معذرت کے ساتھ طلاق دے رہا ہوں۔ میں نے اسے جو بھاری رقم دی تھی' چونکہ اس کی کوئی تحریر موجود نہ تھی' اس لئے وہ بھی اس نے ہضم کر لی اور اس کی مدد سے جلد ہی دوسری شادی رچالی۔۔۔

طلاق کے چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا۔ اس کا نام میں نے محمد رکھا۔ اب یہ بیٹا ماشاء اللہ دس برس کا ہے۔ وجیہ و شکیل اور بڑا ذہین ہے' اسے ہی میں دیکھ دیکھ کر جیتی ہوں۔ اب میں نے اپنے آپ کو اللہ کے فضل سے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی مبارک فریضے کی نذر ہو جائے۔ یہ بھی اللہ ہی کا فضل ہے کہ میں نے قرآن کو خوب پڑھا ہے۔ امریکہ میں اس وقت قرآن کے ستائیس ترجمے دستیاب ہیں' میں نے ان میں سے دس کا بالاستیعاب مطالعہ کر لیا ہے۔ عربی زبان بھی سیکھ لی ہے اور جہاں ترجمے میں کوئی بھی بات کھٹکتی ہے' فون پر عربی کے کسی سکالر سے معلوم کر لیتی ہوں۔ الحمدللہ کہ میں مختلف کتب حدیث یعنی بخاری' مسلم' ابوداؤد اور مشکوۃ کا کئی کئی بار مطالعہ کر چکی ہوں اور اسلام کو جدید ترین اسلوب میں سمجھنے کے لئے مختلف مسلمان علماء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتی رہتی ہوں۔ میں سمجھتی

ہوں کہ جب تک ایک مبلغ قرآن' حدیث اور اسلام کے بارے میں بھرپور معلومات نہ رکھتا ہو وہ تبلیغ کے تقاضوں سے کماحقہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کا دن آرام کرنے کی بجائے کسی سنڈے سکول میں بچوں کو عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی' آج اللہ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سنٹروں میں گزارتی ہوں اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں۔ لاس اینجلس میں مختلف مقامات پر مختلف نوعیت کی نمائشوں' کانفرنسوں اور مجالس مذاکرات کا اہتمام کر کے غیر مسلموں تک دین اسلام کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کو تبدیلی مذہب کے لئے نہیں بلایا' بلکہ اس لئے زحمت دی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں اور میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں اسلام سے کیوں وابستہ ہوں' زندگی کی کیا حقیقت ہے؟ اور انسان اور خدا کا باہمی تعلق کیا ہے؟ میں بحمد اللہ ریڈیو اور ٹی وی پر بھی اسلامی تعلیمات پیش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

یہ بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم وومن سٹڈی سرکل قائم کئے ہیں جن میں غیر مسلم خواتین بھی آتی ہیں۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور ایک عورت کو گھوڑے سے بھی کم قیمت پر یعنی ڈیڑھ سو روپے میں خریدا جا سکتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ ملتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر وہ شادی پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لے جاتی اور چند ہی ماہ بعد اسے طلاق حاصل کرنی پڑتی' تو ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار پاتی تھی۔ تعلیم کے مواقع بھی اسے مناسب صورت حال میں حاصل نہ تھے اور اس ایٹمی و سائنسی دور میں بھی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ میں عملاً" عورت دوسرے درجے کی شہری ہے' وہ مردوں کے برابر کام کرتی ہے' مگر معاوضہ ان سے کم پاتی ہے' وہ ہمیشہ عدم تحفظ کا شکار رہی ہے۔ پندرہ برس کی عمر کے بعد والدین بھی اس کی کفالت کا ذمہ نہیں لیتے اور اسے خود ملازمت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ شادی کے بعد طلاق کا خوف اسے ہمہ وقت گھیرے رکھتا ہے اور طلاق کے بعد جو یورپین

زندگی کا لازمہ بن گئی ہے' نہ والدین نہ بھائی اس کا غم بانٹتے ہیں بچوں کی ذمہ داری بھی اسی کے سر پڑتی ہے اور سابق شوہر بچوں کا بمشکل تین فیصد خرچ برداشت کرتے ہیں یعنی پچاس ڈالر ماہوار کے حساب سے ادا کرتے ہیں جس سے ایک بچے کا جوتا خریدنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

میں خواتین کو بتاتی ہوں کہ اس کے برعکس اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے خواتین کو جو حقوق عطا کئے تھے' اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بحیثیت بیٹی' بہن' بیوی اور ماں اسے خاص احترام اور حقوق حاصل ہیں۔ باپ' خاوند' بھائیوں اور بیٹوں کی جائیداد سے اسے حصہ ملتا ہے اور طلاق کی صورت میں اولاد کی کفالت کا ذمہ دار شوہر ہوتا ہے' طلاق کو یوں بھی اسلام میں سخت ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور شادی کے موقع پر خاوند کی حیثیت کے مطابق اسے معقول رقم (یعنی مہر) کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ خاوند کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھے اور اس کی غلطیوں کو معاف کرے اور اس باپ کے لئے جنت میں اعلیٰ ترین انعامات کی بشارت ہے جو اپنی بچیوں کی محبت اور شفقت سے پرورش کرتا اور ان کی دینی تربیت کر کے رخصت کرتا ہے اور اس اعزاز کی تو کہیں ادنی سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے اور باپ کے مقابلے میں اسے تین گنا واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔

میں جب یہ تقابلی جائزہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں--- وہ تحقیق کرتی ہیں' مطالعہ کرتی ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح باتیں کرتی ہوں اور واقعتہ "اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق و احترام عطا کیا ہے' تو وہ اسلام قبول کر لیتی ہیں--- چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ اب تک تقریباً" چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔

خواتین میں تبلیغ کے ساتھ ساتھ میرا ہدف شعبہ تعلیم ہے جس کے نصابات میں اسلام کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات و الزامات ہیں۔ ٹی وی پروگراموں میں بھی جا و بے جا اسلام کے خلاف زہر افشانی کی جاتی ہے' چنانچہ میں نے عزم کر لیا کہ اس تکلیف دہ صورت حال کی اصلاح کرنی چاہئے۔ اس کے لئے میں اکیڈیمی آف ریلجس سائنس کے کارپردازوں سے ملی یہی لوگ نصابات اور ٹی وی پروگراموں میں اسلام کی غلط تصویر کشی کے ذمہ دار ہیں--- میں نے اصرار کے

ساتھ ان سے بحث مباحثہ کیا اور انہیں قائل کر لیا کہ اگر نشاندہی کر دی جائے تو وہ متعلقہ حصوں کی اصلاح کر دیں گے۔۔ چنانچہ میں نے مسلمان والدین کو توجہ دلائی' امریکہ میں مختلف مسلم انجمنوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ بچوں کی نصابی کتب میں سے غلط اور قابل اعتراض باتوں کی نشاندہی کریں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں اسلامک فاؤنڈیشن فار کری کلم ان رچمنٹ اینڈ ڈیویلپمنٹ (IF.OD) کا قیام عمل میں آیا جس کے تحت نصابی کتابوں میں اسلام کے خلاف منفی اور قابل اعتراض مواد کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کی یونیورسٹیوں میں اسلامیات کا مضمون یہودی' عیسائی اور ہندو پڑھاتے ہیں۔ ہم نے IFOD کی وساطت سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اسلامیات کی تدریس پر صرف مسلمان اساتذہ کا تقرر کیا جائے' مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ ہم یہ مطالبہ پورا کرالیں گے۔

اخیر میں یہ خوش کن خبر بھی سناتی جاؤں کہ میرا وہ خاندان جس نے میرا سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا' اللہ کے فضل سے اس کے بیشتر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ میرے والد جو مجھے قتل کرنے کے درپے تھے' وہ مسلمان ہو چکے تھے اور والدہ' سوتیلے والد' دادی' دادا اور خاندان کے کئی دیگر افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں حتیٰ کہ میرا وہ بیٹا جو اپنے عیسائی باپ کے پاس رہتا ہے اور جس کی مذہبی تربیت عیسائیت کے عین مطابق بڑے اہتمام سے ہو رہی تھی' ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ممی اگر میں اپنا نام تبدیل کر کے فاروق رکھ لوں' تو آپ کے نزدیک کیسا رہے گا؟ میں پہلے حیرت اور پھر مسرت کے بے پناہ احساس سے نہال ہو گئی میں نے اسے گلے سے چمٹا لیا' پیار کیا اور اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے فوراً" ہی کلمہ پڑھ لیا۔ فاروق اب بھی باپ کی تحویل میں ہے لیکن راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ میری وہ بہن جو مجھے پاگل سمجھتی تھی' ایک تقریب میں اس نے میری تقریر سنی تو بے اختیار تعریف کرنے لگی۔ امید ہے انشاء اللہ وہ بھی ایک روز دائرہ اسلام میں آ جائے گی۔

یہ بھی اللہ کی عنایت ہے کہ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی باپردہ زندگی گزار رہی ہوں۔ اس ملک میں چہرے پر نقاب ڈال کر ادھر ادھر جانا تو ممکن ہی نہیں کہ اس سے بے شمار مشکلات سامنے

آتی ہیں۔ تاہم چہرے اور ہاتھوں کے سوا میں سارے جسم کو ڈھیلے لباس میں مستور رکھتی ہوں اور اس میں بھی قدم قدم پر تعصب اور تنگ نظری کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ ایک مرتبہ میں اسی لباس میں ایک بنک میں گئی تو جب تک وہاں موجود رہی' بنک کا گ . . میں میرے سر پر رائفل تان کر کھڑا رہا۔ ایک پی ایچ ڈی خاتون متعلقہ ملازمت کے لئے منتخب . . ی' مگر اسے پہلے ہی روز اس لئے فارغ کر دیا گیا کہ وہ باحجاب لباس میں تھی اور اس نوعیت کی مثالیں بے شمار ہیں ایک بار میں نے ریڈیو پر بچوں کا پروگرام کیا' اسے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا' مگر تقریب سے ایک روز قبل جب کمیٹی کے ارکان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے اسلامی لباس میں دیکھا' تو کمال ڈھٹائی سے انہوں نے ایوارڈ منسوخ کر دیا۔

بہر حال یہ ہے امریکہ کا ماحول اور یہ ہیں وہ رکاوٹیں جن میں رہ کر مجھے تبلیغ دین کا کام کرنا پڑ رہا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا کرے اور میں اخیر وقت تک نہ صرف خود ایمان و یقین سے سرشار رہوں بلکہ یہ روشنی دوسروں تک بھی پہنچاتی رہوں۔

فروری 1990ء میں محترمہ امینہ انٹرنیشنل یونین آف مسلم وومن کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان تشریف لائیں اور یہاں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ . . امیات' لاہور کالج برائے خواتین' کنیرڈ کالج' کالج فار ہوم اینڈ سوشل سائنسز اور اسلام آباد کے مختلف تعلیمی اداروں میں خطاب فرمایا۔ انہوں نے خواتین کو تکرار کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی کہ حجاب میں عورت کی عزت و احترام ہے اور عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری اپنے بچوں کی پرورش ہے۔ انہوں نے بڑے دکھ سے کہا "میں سمجھتی تھی کہ پاکستان کا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا ہو گا' مگر افسوس کہ یہاں ائیرپورٹ پر اترتے ہی مجھے مردوں کے عجیب و غریب رویے سے دو چار ہونا پڑا۔ وہ عورتوں کو جس انداز میں بے باکی کے ساتھ گھورتے ہیں' اس طرح تو امریکہ کے لادین معاشرے میں بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کی خواتین یورپین عورتوں کی نقالی میں ماڈرنزم اختیار کرنی کی بڑی شوقین ہیں۔ میں انہیں انتباہ کرتی ہوں کہ یورپ کے معاشرے کی تقلید نہ کریں۔ وہاں کی خواتین آزادی اور بربادی کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکیں' انہوں نے ہر شعبہ زندگی میں مردوں . یہ مسابقت کا انداز

اختیار کیا اور نسوانیت کو ترک کر کے مردوں کی روش اپنالی۔ نتیجہ یہ کہ آج یورپ میں عورت سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں۔ وہ فحاشی اور عدم تحفظ کے گہرے گڑھے میں گر گئی ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا' وہ بھی کھو دیا ہے۔ آج عالم یہ ہے کہ گھر کو قید خانہ سمجھ کر دفتروں کی زندگی اپنانے کے نتیجے میں اسے صبح تیزی کے ساتھ گاڑیوں کا تعاقب کرنا پڑتا ہے اور ٹریفک کے بے پناہ رش میں دو دو گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد اپنے دفتر میں پہنچتی ہے۔ وہاں دن بھر نوکرانی کی طرح کام بھی کرتی ہے اور اپنے باس (BOSS) کے اشارہ ابرو پر ہر طرح کا ناگوار کام بھی کرتی ہے۔ شام کو دوبارہ ٹریفک کے سیلاب کا مقابلہ کر کے گھر آتی ہے تو تھکاوٹ سے اس قدر نڈھالی اور زندگی سے اتنی بیزار ہوتی ہے کہ اپنے ننھے پیارے بچے کی بات کا جواب تک نہیں دے سکتی۔ امریکی خواتین کے بچے ڈے کیئر سنٹروں میں پلتے ہیں۔ جہاں وہ عدم توجہ کا شکار رہتے اور نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ وہاں انہیں سادھوازم اور جادوگری کا زہر پلایا جاتا ہے' ان پر مجرمانہ حملے ہوتے ہیں اور والدین کی شفقت اور خاندانی زندگی سے محروم ہو کر وہ بچپن ہی میں منشیات کے عادی ہوتے ہیں۔ چنانچہ بے شمار بچے نو دس سال کی عمر میں خودکشی تک کر لیتے ہیں اور پبلک سکولوں میں فیل ہونے والے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایڈز اور ہم جنسی عام ہے اور امریکہ کی بعض ریاستوں میں تو ہم جنسی کو قانونی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ بڑھاپے میں والدین شدید کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں اور جونہی ایک خاتون کی عمر 35 سال سے تجاوز کرتی ہے اسے اس طرح نظرانداز کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ درگور ہو کر نفسیاتی مریض بن جاتی ہے۔ چنانچہ امریکہ میں ذہنی امراض کے ہسپتال مریضوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ غرض وہاں نہ عورتوں کو سکون حاصل ہے' نہ بچوں کو نہ بوڑھوں کو۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پاکستانی خواتین اور مرد حضرات اس معاشرے کو آئیڈیل کیوں سمجھتے ہیں اور وہی اطوار کیوں اختیار کر رہے ہیں جنہوں نے امریکی اور یورپی سماج کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

اسلام کی دوبارہ سربلندی کے لئے

مادی فلسفوں اور مادی تحریکوں کا توڑ ضروری

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم
(اقبالؒ)

آج دنیا میں جدھر دیکھئے مادی افکار و نظریات اور مادی فلسفوں کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ اور یہ افکار و نظریات سیلاب کی طرح اڈے چلے آرہے ہیں جو نوع انسانی کے ذہن و دماغ پر بری طرح چھائے ہوئے ہیں اور ان کے عقائد پر اثر انداز ہو رہے ہیں اور اس باب میں مذہبی خیالات رکھنے والے گھرانے اور خاندان بھی محفوظ نہیں ہیں۔ ان بے خدا افکار و نظریات کی یلغار جس طرح فرد اور معاشرے پر ہو رہی ہے اسی طرح وہ ملکوں اور قوموں پر بھی ہونے لگی ہے اور اس کی واضح مثال مسلم افغانستان ہے جس پر اشتراکی روس حملہ کر کے اس کے اسلامی تشخص کو مٹانے اور اس پر اشتراکیت و دہریت مسلط کرنے کے درپے ہے اور اس پر وہ ہر قیمت پر غالب و مسلط رہنے کا خواہش مند نظر آتا ہے، جیسا کہ اس ملک کو چھوڑنے کے سلسلے میں ان کی ناجائز شرائط سے ظاہر ہوتا ہے۔

غرض آج ساری دنیا میں اسلامی افکار و ضوابط اور اسلامی نظام کو مٹانے کے لئے منظم تحریکیں چل رہی ہیں اور خاص کر بڑے اور ترقی یافتہ ملکوں کی للچائی ہوئی نظریں پورے عالم اسلام پر لگی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں آج اہل اسلام پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

1۔ پہلی ذمہ داری یہ کہ مادی افکار و نظریات اور وقت کے ملحدانہ فلسفوں کا مقابلہ کرنے کے لئے علمی و عقلی اعتبار سے ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو ان باطل افکار اور باطل فلسفوں کا معقول انداز میں رد کر کے اسلامی فکر اور اسلامی نظام حیات کی برتری ثابت کرنے والا ہو۔ تاکہ آج نوع انسانی کے ذہنوں میں جن غلط افکار کا سکہ بیٹھا ہوا ہے وہ پوری طرح زائل ہو جائے۔

2۔ دوسری ذمہ داری یہ کہ سیاسی اور بین الاقوامی اعتبار سے آج جو مسلم حکومتوں کو بیرونی قوتوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہے ان کی مادی و اخلاقی ہر طرح سے مدد کی جائے تا کہ وہ اپنے ملکوں کا صحیح دفاع کرتے ہوئے اغیار کی ہولناکیوں کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں اقدام اول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے فکری و نظریاتی اعتبار سے ذہنوں میں تبدیلی آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک جسمانی معرکہ سر کرنے سے پہلے ایک ذہنی معرکہ سر کرنا پڑتا ہے۔ جب تک یہ بنیادی تبدیلی نہ آئے کار زار حیات میں عملی جدوجہد کے لئے فضا ساز گار نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے آج باطل افکار اور باطل نظاموں کا اصل مقابلہ لٹریچر کے میدان میں ہونا چاہئے۔ یعنی ان مادی افکار و نظریات کے شیش محلوں کو چکنا چور کرنے کے لئے طاقتور قسم کا لٹریچر تیار کیا جائے اور یہ اقدام بھی آج جہاد فی سبیل اللہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ غرض آج اگر اسلام کو صحیح معنی میں ایک بلند اور برتر نظام ثابت کرنا ہے تو اس قسم کا بنیادی اقدام بہت ضروری ہے اور اس کے بغیر اسلام کا صحیح معنی میں دفاع نہیں ہو سکتا۔ محض باتوں اور تقریروں سے کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آتی۔ جب تک کہ ٹھوس اقدامات نہ کئے جائیں۔

اصحاب ثروت کی ذمہ داری

مگر ظاہر ہے کہ ان اقدامات کے لئے مال یا پیسہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور جب تک اس راہ میں مال خرچ نہ کیا جائے کوئی پائیدار نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جن اصحاب کو مال و دولت عطا کیا ہے ان پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس راہ میں بغیر کسی بخل کے نہایت فراخدلی کے ساتھ اسلامی نظام کے دفاع کی خاطر اپنا مال خرچ کریں اور اس سلسلے میں اصحاب مال کو یاد رکھنا چاہئے کہ مال و دولت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ در حقیقت اس کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے جو محض ابتلا اور آزمائش کی خاطر کسی کو عنایت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ محض انسان کا دل رکھنے کی خاطر ایک درجے میں اس کی ملکیت کو تسلیم بھی کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی گئی ہے۔

مال در حقیقت ایک ابتلا اور آزمائش کی چیز ہے جس کی وجہ سے مالدار شخص پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مگر بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ ہماری ذاتی محنت اور ذاتی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے اس لئے ہم کو ہر حیثیت سے اس کے تصرف پر پورا پورا اختیار ہے۔ مگر یہ صحیح اسلامی

نظریہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم میں حقوق العباد نیز قومی و ملی کاموں میں خرچ کرنے پر جتنا زور دیا گیا ہے وہ کسی دوسرے حکم پر سوائے نماز کے نہیں دیا گیا۔ بلکہ ایک موقع پر تو ایمان لانے کے بعد دوسرا جو فوری حکم دیا گیا ہے وہ انفاق یعنی (قومی و ملی کاموں پر) خرچ کرنے کا ہے' جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ امنوا باللہ و رسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین امنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر (اے مسلمانو) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اس نے تم کو قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو۔ اس طرح تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خرچ کریں ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ (حدید۔ ۷)

اس موقع پر ایمان اور انفاق میں تعلق یہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب کہ ایمان کو بچانا سب سے زیادہ مشکل کام اور سب سے بڑا جہاد بن جاتا ہے۔ ایسے مشکل اور نازک مراحل میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی ایمان و اسلام کے دفاع کے راستے میں اپنے خزانوں کو لٹا دینے کے لئے تیار رہنا چاہئے ورنہ ایسے موقعوں پر بخل کرنا قومی و ملی موت ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آج دنیائے اسلام اسی قسم کے احوال و کوائف سے گزر رہی ہے۔ لہٰذا ایسے نازک مواقع پر اصحاب مال کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے صحیح رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ورنہ پھر اللہ تعالیٰ اپنی ازلی سنت کے مطابق ایسی بخیل قوموں اور ملتوں کا تختہ الٹ دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ ھانتم ھولاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ۔ واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ "ہاں دیکھو تم ہی وہ لوگ ہو کہ (جب) تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرنے لگ جاتے ہیں (تو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) جو لوگ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتے ہیں اور اللہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ) تم سب (اس کے) محتاج ہو۔ اور (خوب سن لو کہ) تم اگر (انفاق سے) روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے (بخیل) نہ ہوں گے۔ (محمد۔ 38)

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

(اقبالؒ) ۔ (جاری ہے)

(علامہ سید رشید رضا المصری)

دین کی دوسری اصل عقیدہ قیامت

عقیدہ توحید دین کا پہلا ستون ہے اور دوسرا ستون عقیدہ قیامت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس امر پر کامل یقین رکھے کہ وہ موت کے بعد پھر زندہ ہو گا اور اپنی اس دنیا کی زندگی کے ایک ایک عمل کا حساب دے گا اچھے کاموں کی جزاء پائے گا اور برے کاموں کی سزا بھگتے گا۔ خدا کے تمام رسولوں نے اس عقیدہ کو بڑی قوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ عقیدہ ایک حقیقت ہے دوم اس لئے کہ اس سے انسانی زندگی میں اپنے اعمال کے متعلق ذمہ داری کی ایک حس پیدا ہوتی ہے اور انسان کے عزم و ایمان میں کمال مضبوطی رونما ہوتی ہے۔ سوم اس لئے کہ نیک کاموں کی رغبت بڑھتی ہے اور ہر طرح کی بدکاریوں' بے حیائیوں' حق تلفیوں' بے انصافیوں اور ظلم و ستم کی جرائتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

اقوام عالم کی پوزیشن

بت پرست عرب سرے سے اس عقیدہ کے منکر تھے۔ لیکن اہل کتاب و دیگر قومیں جن کے پاس کوئی مذہبی یا تمدنی کتاب تھی۔ انہیں اصل قیامت سے انکار نہ تھا وہ اس بات کی قائل تھیں کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس میں اعمال کی جزا اور سزا دی جائے گی لیکن اس ایمان کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس آئندہ زندگی کے متعلق ایسے ایسے خیالات گھڑ لئے تھے جن کی وجہ سے اس عقیدہ کا اصلاحی نفع بالکل مفقود ہو گیا تھا۔ مثلاً عیسائیوں نے "فدیہ کے ذریعے نجات" کا اعتقاد پیدا کیا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندوں کے گناہوں کے کفارہ میں خود سولی چڑھ گئے ہیں اور انہوں نے خود سولی پا کر انسانوں کو عذاب سے بچا دیا ہے اسی کے ساتھ عیسائیوں نے باپ' بیٹا اور روح القدس کے متعلق یہ بھی کہا کہ نجات دینے والا (بیٹا) بعینہ باپ اور روح القدس بھی ہے اور پھر یہ تینوں مل کر ایک بھی ہیں۔ عیسائیوں کے یہ اقوال قریباً ایسے ہی ہیں جیسے

ہندؤں کے اقوال اپنے دیوتاؤں کے متعلق ہیں صرف ناموں کا فرق ہے ورنہ الفاظ و معنی میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔

اب باقی رہے یہودی تو ان کا پورا دین صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے مخصوص تھا ان کا دعویٰ تھا کہ خدا تمام قوموں سے زیادہ بنی اسرائیل سے محبت رکھتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں بنی اسرائیل ہی کی طرف داری کرے گا چنانچہ اپنے اس عقیدہ کے مطابق وہ خدا کو بنی اسرائیل کا خدا کہا کرتے تھے گویا خدا صرف ان ہی کا پروردگار ہے رب العالمین نہیں ہے۔ ان مختصر اشارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان باللہ کی طرح عقیدہ قیامت بھی بالکل فاسد ہو چکا تھا اور قریباً" تمام قوموں نے اعمال کی جواب دہی اور ذمہ داری سے بچنے کے لئے کئی قسم کے عقیدے پیدا کر رکھے تھے اور اس طرح عقیدہ قیامت کی حقیقت اور غرض و غایت بالکل فناہ ہو چکی تھی اور انسانی زندگی پر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا۔

قرآن نے کیا اصلاح کی؟

قرآن عزیز نے ان غلطیوں کی اصلاح اور خدا کے سچے نبیوں کی صحیح تعلیم کو واضح کر دیا ہے قرآن پاک نے بتلایا کہ خداوند تعالیٰ نے ہر انسان کی شرافت و بزرگی اور سعادت و بد بختی کا انحصار اس کے ایمان و عمل پر رکھا ہے' یہ نہیں ہے کہ ایک انسان کے ایمان و عمل یا فدیہ و قربانی کی وجہ سے کسی دوسرے انسان کی نجات ہو۔ قرآن نے یہ بھی فرمایا کہ انسانوں کے ظلم و فساد اور کفرو گمراہی کی سزا عدل الٰہی کے مطابق ہو گی اور خداوند تعالیٰ اس کے بارے میں کسی جماعت کی رعایت یا کسی قوم کی طرف داریٰ ہرگز نہیں فرمائے گا لیکن اسی کے ساتھ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو بھی' جو وہ انسانوں کے حق میں رکھتا ہے' نمایاں کیا اور فرمایا کہ انسان کے ایمان اور نیک اعمال کا ثواب فضل الٰہی کے مطابق دیا جائے گا یعنی وہ برے کاموں کا بدلہ عدل سے دے گا اور نیک کاموں کا ثواب فضل سے دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔

قرآن مجید نے اس کا بھی اعلان فرما دیا کہ جزا اور سزا کے متعلق جو اصول اس نے پیش کیا ہے' یہ بالکل وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا تھا جن کی پیغمبری پر عیسائی اور یہودی سب

قومیں متفق ہیں اور یہ بھی کہا کہ یہ اصول وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں نے پیش کیا تھا جن کی پیغمبری پر عیسائی اور یہودی سب قومیں متفق ہیں اور یہ بھی کہا کہ یہ اصول وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں نے پیش کیا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اعنده علم الغيب فهو يرى ○ ام لم ينبا بما فى صحف موسى وابراهيم الذى وفى الا تزر وازرة وزر اخرى ○ وان ليس للانسان الا ما سعى ○ وان سعيه سوف يرى ثم يجزيه الجزاء الاوفى (پارہ ۲۷ سورہ النجم ۵۳ آیت ۳۵ تا ۴۱)

ترجمہ! کیا انکار کرنے والے کے پاس کوئی غیب کی خبر ہے جس سے وہ دیکھتا ہے؟ کیا انکار کرنے والے کے پاس اس قانون کی خبر نہیں پہنچی، جو موسیٰ علیہ السلام کی کتابوں میں ہے جس نے اپنا قول پورا کر دکھایا؟ وہ قانون یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور ہر انسان کو اس کی اپنی کمائی عنقریب دکھائی جائے گی اور اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

ان آیات سے یہ حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ خدائی دین کی اور تمام رسولوں کے پیغام کی بنیاد یہ تھی کہ کوئی انسان کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا نہ بطور فدیہ کے اور نہ کسی اور طریقہ پر، نیز یہ کہ ہر انسان کو اپنی ذاتی کوشش و عمل ہی کا ثواب ملے گا۔ ہاں اگر اس نے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس کا اثر بعد تک باقی رہے گا مثلاً" اس نے اپنے شاگرد کو اچھی تعلیم و تربیت دی ہے یا دنیا میں کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے لوگ برابر فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں تو وہ اس کا اجر ضرور پاتا رہے گا۔ لیکن اس وجہ سے نہیں کہ یہ دوسرے کا عمل ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ یہ خود اس کا اپنا کیا ہوا عمل ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی قانون کی طرف رہبری ہے۔

ونفس وما سوها فالهمها فجورها وتقوها قد افلح من زكها وقد خابَ من دسها۔
(پارہ ۳۰ سورہ الشمس ۹۱ آیت ۷ تا ۱۰)

ترجمہ! "نفس انسان کی قسم اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا۔ پس اسے برے اور بھلے کی سمجھ دی۔ وہ شخص کامیاب ہوا جس نے نفس کو سنوارا اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے بگاڑا۔

آیت کی تشریح یہ ہے کہ خدا نے نفس انسان کو پیدا کر کے اسے فہم وادراک اور عقل و شعور سے مکمل کر دیا ہے اور اس کی فطرت میں یہ قابلیت رکھ دی ہے کہ خواہ تو وہ بدی اور گناہ کے راستے پر چل کر اپنے آپ کو ناپاک اور تباہ کرے اور خواہ وہ تقویٰ حاصل کر کے نجات اور بلندی حاصل کرے۔ خدا نے انسان کو عزم اور ارادہ کے لحاظ سے آزاد بنایا ہے کہ وہ جس خیال و خواہش کو چاہے اختیار کر سکتا ہے اور جسے چاہے چھوڑ سکتا ہے۔ خدا کی طرف سے انسان کو عقل و دین کا بیش بہا عطیہ بخشا گیا ہے جو ہمیشہ شر و باطل کے مقابلے میں بھلائی اور سچائی کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اب کوئی انسان جس قدر اپنے نفس کو ایمان کامل ' اخلاق عالیہ اور اعمال حسنہ سے پاک و صاف کر دے گا۔ اسی قدر زیادہ سزا و عذاب میں گرفتار ہو گا۔ قرآن کی ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ جزا و سزا نفس و بدن (جسم روح) کے اعمال کا قدرتی نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اصول ایک ایسا واضح اصول ہے کہ جو شخص ' انسان کی حقیقت اور فطرت سے ذرا بھی آگاہ ہو وہ ضرور اسے بلا تکلف تسلیم کرے گا۔ دیکھو سزائے اعمال کے متعلق مذہبوں کی تعلیمات میں یہ کتنی بڑی اصلاح ہے جو قرآن نے کی۔

آپ دیکھ چکے کہ اہل عرب قیامت کے نہایت منکر تھے اور اہل کتاب اور دوسری قوموں کا ایمان بھی اس عقیدہ کے بارے میں بالکل بگڑ چکا تھا حالانکہ اسی عقیدہ پر خود ایمان باللہ کی اور عقیدہ توحید کی تکمیل منحصر ہے اور اسی کو پیش نظر رکھنے سے ہی انسان ہر قسم کی شرارت اور جور و ستم سے بچ سکتا ہے اور اصلاح و تقویٰ اور بھلائی اور نیکی کی طرف قدم اٹھا سکتا ہے اب ظاہر ہے کہ اگر ہم ایسے ضروری عقیدہ کو ایک قوم میں پختہ و استوار اور کار فرما و حکمران کر دینا چاہیں تو یہ بار بار دھرانے کے بغیر ناممکن ہو گا اس کے علاوہ انداز بیاں بھی دلکش ہونا چاہیے۔ ایسا دلکش جو اس مسئلہ کو بڑی سہولت سے ذہن نشین کر دینے والا ہو۔ چنانچہ قرآن نے یہی کیا ہے قرآن نے قیامت کے تصور کو انسانی زندگی پر مسلط کر دینے کے لئے کہیں عقلی دلائل دیئے ہیں کہیں نہایت صاف اور واضح مثالوں سے کام لیا ہے۔ کہیں تاریخی واقعات سے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے کہیں خود فطرت اور نظام کائنات کے عجائبات سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے الغرض جن آیات میں قیامت کا بیان

ہے ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے اور انداز بیان ایسا معجزانہ ہے کہ تکرار طبیعت پر ذرہ بھی گراں نہیں گزرتی اور بڑا کمال یہ ہے کہ پڑھنے والے کو مضامین کی تکرار کا پتہ تک نہیں چل سکتا در آں حالیکہ قرآن میں قیامت کی آئیتیں اور سورتیں پے در پے چلی جاتی ہیں مثلاً "سورہ مرسلات' النازعات' عبس' تکویر' انفطار' مطففین اور اشتقاق وغیرہ۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ تمام مذاہب میں توحید کے بعد جزا، سزا کے اعتقاد کا نمبر ہے کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ جو شخص خدا کو مانے وہ قیامت کو بھی مانے' اس لئے خدا کا صحیح صورت میں ماننا یہی ہے کہ ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ تمام کمالات سے متصف ہے اس میں کوئی عیب نہیں اور اس کا کوئی کام یا حکم' حکمت سے خالی' عبث اور بے نتیجہ نہیں' اس اعتقاد کے بعد ہمیں سب سے پہلے اپنے وجود کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہو گا کہ ہماری یہ زندگی اور ہمارے یہ اعمال بے نتیجہ نہیں ہیں ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کا ایک نتیجہ ضرور ہو گا۔ یاد رکھئے کہ بس اسی چیز کا نام جزا و سزا ہے چنانچہ قرآن پاک نے قیامت کے بارے میں کافروں کے سامنے جو سب سے کھلی دلیل پیش کی ہے وہ یہی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الیہ لا ترجعون○ (پارہ ۱۸ سورہ المومنون ۲۳ آیت ۱۱۵)

ترجمہ! "اے انکار کرنے والو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے انسان کو بیکار پیدا کیا ہے؟ اور تمہیں ہمارے ہاں لوٹ کر نہیں آنا ہے" پھر سورہ قیامت کے آخر میں کہا

ایحسب الانسان ان یترک سدی (پارہ ۲۹ سورہ القیمتہ ۷۵ آیت ۳۶)

ترجمہ "کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یوں ہی عبس چھوڑ دیا جائے گا؟"

اچھی طرح سمجھو کہ قرآن کی اس دلیل کے کیا معنی ہیں؟ قرآن کہتا ہے اگر تم قیامت اور جزا و سزا کے اعتقاد کے منکر ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ انسان جو چاہے کرے مرنے کے بعد کچھ نہیں تو تمہارے اس قول کے صاف معنی یہ ہیں کہ تم خدا کے عادل اور حکیم ہونے سے انکار کر رہے ہو تم خدا کی پیدائش کو محض ایک کھیل قرار دے رہے ہو اس کے بعد تمہیں اس نعمت الٰہی کا انکار بھی

ضروری ہو جائیگا اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور بہترین صورت دی ہے اور زمین و آسمان کے تمام منافع اس کے لئے مسخر کر دیئے ہیں کیونکہ جب یہ ساری زندگی ہی بے نتیجہ ہے تو پھر اچھائی اور برائی میں امتیاز کے کیا معنی؟۔ صرف یہی نہیں بلکہ منکر قیامت کے لئے یہ ماننا بھی لازم آتا ہے کہ اپنے حواس' قوے اور عقل کی بزرگی سے بھی انکار کر دے اور کہہ دے کہ جو کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو غیر محدود علم کی صلاحیت بخشی تاکہ وہ اس کی مدد سے ایک ایسی زندگی حاصل کر سکے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے تو یہ بات بھی غلط ہے اس تمام انکار و جہل سے یہ بھی لازم آئے گا کہ انسان اپنے آپ کو ایک بہت ہی ذلیل ہستی خیال کرے۔ کیونکہ جب اس کی زندگی بھر کی محنتوں اور نیکیوں کا اس کو پھل ہی نہیں ملے گا۔ اور جب اس کی خلقت بھی بالکل بیکار اور عبث ہے اور جب اس کی زندگی بھی کمزور حقیر اور مختصر ہے اور ہر قسم کے مصائب' درد' دکھ اور رنج و غم سے بھی لبریز ہے تو پھر اس کے متعلق یہی فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور پھر اس کے بعد یہ بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ تمام انسانی اعمال کا کوئی نتیجہ نہیں' نہ ظالموں کو سزا ملے گی نہ عادلوں اور نیکوں کو ثواب و انعام دیا جائے گا۔ حالانکہ اس دنیا میں شائد ایک بھی شخص ایسا نہ ہو جو ان باتوں کو تسلیم کرے اس لئے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص یہ جانتا ہے کہ اس دنیا میں تمام افراد کے لئے اجر و سزا جاری نہیں ہوتی۔ یہاں ہزاروں آدمی ظلم اور گناہ کرتے ہیں مگر سزا نہیں پاتے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایک دن ایسا مقرر ہو۔ جب کہ جزا اور سزا کا خدا کے عدل و انصاف کا عام مظاہرہ ہو اور سب کا حساب برابر ہو جائے۔ قرآن کا دعویٰ بھی یہی ہے۔

انما توفون اجورکم یوم القیمتہ (پارہ ۴' سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۸۵)

ترجمہ۔ "تم لوگ قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیئے جاؤ گے"

قرآن پاک کے وہ سوال و جواب جو نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں جو قیامت کے دن گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں' تابعداروں اور سرداروں' بدکاروں اور بہکانے والوں میں ہوں گے وہ باہم ایک دوسرے پر لعنت کریں گے ایک دوسرے کو قصوروار اور ملزم ٹھہرائیں گے۔ اسی طرح وہ گفتگوئیں بھی بے حد سبق آموز ہیں جو جنتیوں اور دوزخیوں میں ہوں گی۔ قرآن نے یہ سب

انداز بیان اس لئے اختیار کئے تاکہ ہر انسان کے سامنے جزا و سزا کے دن کی تصویر چمکتی رہے اور وہ دوڑ دوڑ کر نیکیاں کر سکے۔

وقوع قیامت کے متعلق قرآن پاک کا بلند نظریہ

وقوع قیامت کے بارے میں قرآن پاک میں جو نظریہ پیش کیا ہے وہ عیسائیوں کے اعتقاد سے بہت مختلف اور بلند ہے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ آخرت کی زندگی میں بھی انسان ویسا ہی ہو گا۔ جیسا کہ وہ دنیا کی زندگی میں تھاہاں پاک نفسوں اور بلند درجات والوں کے روح اور جسم بہت مکمل اور اعلیٰ ہوں گے اور خبیث روحوں اور بد نصیبوں کے جسم و روح بالکل خراب حالت میں ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے دنیامیں اپنے نفسوں کو ناپاک اور نجس رکھا تھا۔

قدیم مصریوں اور دیگر قوموں کی روایات سے ثابت ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان قیامت میں اپنے روح اور بدن کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ لیکن ان کے اس عقیدے میں رفتہ رفتہ فساد آگیا اور وہ یقین کرنے لگے کہ انسان کا جسم بھی مرنے کے بعد محفوظ رہتا ہے اور قیامت میں بعینہ اسی جسم کے ساتھ حشر ہو گا لیکن قرآن کا بیان یہ ہے کہ زمین کی ہر شے فناہ ہونے والی ہے اور قیامت سے پہلے ہر چیز ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ اسی بناء پر علمائے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ چیز کا فناہ اور معدوم ہو جانے کے بعد جسموں کو پھر زندہ کیا جائے اور اگر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق صرف روح ہی کو اٹھایا جائے تو مخلوق خداوندی میں سے ایک ایسی بہترین اور معزز جنس کی کمی ہو جائے گی جو روح اور جسم دونوں کا مرکب ہے اور روحانی اور جسمانی لذتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے اور ان حکمتوں اور رازوں کی جلوہ گاہ ہے جو خدا نے روح اور جسم کے بنانے میں رکھی ہیں۔ موجودہ نظام یہ ہے کہ خدا نے حیوانات اور نباتات کو روحانی لذتوں اور عرفانی مسرتوں سے محروم رکھا ہے اور فرشتوں کو جسمانی لذتوں سے بے بہرہ بنایا ہے اور انسان میں روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے راز جمع کر دیئے ہیں اب اگر انسان جسم اور روح کے ساتھ مرے اور صرف روح اٹھے تو گویا تین کے بجائے صرف دو قسم کی مخلوق باقی رہ گئی۔ حیوانات یا ملائکہ تیسری جنس مٹ گئی۔ درانحالیکہ اس کا کوئی سبب موجود نہیں ہے۔

جو حضرات اس فلسفیانہ نظریہ کے قائل ہیں کہ صرف روحانی حشر ہو گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی لذتوں کو ذلیل سمجھا ہے اور انہیں حیوانیت کا لقب دیا ہے حالانکہ عملی دنیا میں سے اکثر ان ہی لذتوں پر جان دے رہے ہیں۔ ان کی یہ تحقیر تو اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ انسان اپنی نظر کو صرف لذت جسمانی تک محدود کر لے اور عقل اور روح کی علمی و عرفانی لذتوں سے بالکل غافل و بے پرواہ ہو جائے۔

اصل یہ ہے کہ عیسائیوں نے یہ بے اعتدالی ہندوؤں سے لی ہے جو انسانی جسم کو بے حد حقیر بتاتے ہیں اور نفس کی صفائی اور بلندی کا دارومدار اس پر رکھتے ہیں کہ جسم کو سخت سے سخت ریاضتیں دے کر کچل دیا جائے اور روح کو جسم کے ہر بندھن سے آزاد کر دیا جائے۔ مختصر یہ کی عیسائیوں نے اس معاملہ میں تثلیث صلیب اور فدیہ ہی کی طرح ہندوؤں کی پیروی کی ہے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا بیان تھا کہ انہوں نے عید فسخ کے موقع پر اپنے شاگردوں کے ساتھ شراب پی اور ان سے یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ میں آج سے شیرہ انگور ہرگز نہ پیوں گا یہاں تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نہ پہنچ جاؤں۔ (متی ۲۶-۲۹) اب رہے یہودی تو انہوں نے عیسائیوں کے بالکل برعکس روش اختیار کر لی ہے' انہوں نے مادی اور جسمانی لذتوں ہی کو سب کچھ قرار دے لیا ہے۔

دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی یہ حالت تھی کہ اسلام نے اپنا علم بلند کیا اس نے میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم پیش کی اور انسان پر جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے حقوق کی اہمیت واضح کی اس نے انسان کے لئے ان تمام چیزوں کا مطالبہ کیا جس سے وہ اپنی انسانیت میں کامل ہو سکتا ہے اس نے مادی زندگی کے ساتھ ساتھ روحانی زندگی پر بہت زور دیا ہے اس نے روحانیت کو غالب رکھا اور مادیت کو مغلوب' اس نے دنیا کو واسطہ اور ذریعہ ٹھہرایا اور آخرت کو مطلوب۔ چنانچہ آخرت کی زندگی کی تفصیلات جو قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم میں روحانی قوتیں اجسام پر بالکل غالب اور مختار ہوں گی اور وہ جو بھی شکل چاہیں گی اختیار کر سکیں گی۔ دور دور کی مسافتیں منٹوں میں طے ہو جایا کریں گی جنتیوں اور دوزخیوں میں باوجود فاصلہ کے باتیں

ہوں گی۔ ہاتھ پاؤں اور زمین اپنے اپنے واقعات کی گواہی دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

نظریہ قرآن کی نئے علوم سے تصدیق

ہمارے زمانے میں انسانی علوم کیمیا' بجلی اور آلات جدید وغیرہ کے سلسلہ میں جتنی ترقی کر چکے ہیں ان سے ان آیات و احادیث کی پوری پوری تائید ہو جاتی ہے حالانکہ اس سے پہلے مادہ پرست اور دہریے' قرآن کے ان دعوؤں کا نہایت شد و مد سے انکار کیا کرتے تھے قرآن پاک نے فرمایا تھا۔

ونادی اصحاب الجنته اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ماوعد ربكم حقا قالوا نعم فاذن موذن بينهم ان لعنته الله على الظلمين (سورہ الاعراف آیت ۴۴ تا ۴۷)

"اہل جنت نے دوزخیوں سے پکار کر کہا' ہم سے خدا نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اسے سچا پایا کیا تم نے بھی اپنے پروردگار کا وعدہ سچا پایا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ پھر ان کے درمیان پکارنے والا پکارا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو"

اس پر مادہ پرست منکروں نے خوب ٹھٹھا لگایا اور ان امور کو حضرت محمد ﷺ کے تخیلات قرار دیا لیکن آج تو ہم اس چیز کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ایک شخص مصر میں بیٹھ کر ٹیلی فون اٹھاتا ہے اور یورپ کے تمام پایا تختوں سے بات چیت کر لیتا ہے۔ اسی طرح ریڈیو کے ذریعہ سے غیر ممالک کے لیکچرز' گانے اور باجے وغیرہ سنائے جا رہے ہیں اور عنقریب ٹیلی ویژن کے ذریعے سے آواز کے ساتھ بولنے والوں کی صورتیں بھی نمودار ہو جایا کریں گی۔

صوفیاء کی طرح بہت سے فرنگی اور غیر فرنگی علماء نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ انسانی روحیں مرنے کے بعد مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتی ہیں۔ بالکل فرشتوں اور جنوں کی طرح جن میں یہ قابلیت رکھی گئی ہے کہ طرح طرح کی شکلوں میں نمودار ہو سکتی ہیں۔ اس واقعہ کو ہم نے تفسیر منار میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں' البتہ اس مقام پر ہم ان لوگوں کی مختصرا" تردید کرنا چاہتے ہیں۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں قرآن یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے ماخوذ ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عقل اور سمجھ سے تصنیف کیا ہے۔ ہم مثال کے طور پر قرآن کا ایک

دعویٰ پیش کرتے ہیں قرآن پاک کا بیان ہے کہ جزاو سزا ملنے سے پہلے موجودہ دنیا بالکل برباد ہو جائے گی اور اس کے بعد قیامت ہو گی اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پھل ملے گا۔ قرآن کا یہ دعویٰ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا وجود ایسے واضح بیان کے ساتھ کہیں نہیں ملتا۔ نہ اہل کتاب کی کتابوں میں ' نہ دوسری قوموں کے ہاں اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ دعویٰ ایسی چیز نہیں ہے جسے حضرت محمد ﷺ اپنی ذہانت و عقل سے معلوم کر سکتے تھے۔ قرآن پاک نے اس بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے قارعۃ (بہ ظاہر کوئی ستارہ ہے) زمین سے ٹکرا جائے گا اور اسے لرزہ دے کر پاش پاش کر ڈالے گا۔ زمین ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار کی طرح فضاء میں منتشر ہو جائے گی۔ زمین و آسمان کا نظام جاذبیت (یعنی کشش ثقل اور کشش زمین کا نظام) درہم برہم ہو جائے گا۔ ستارے اپنے اپنے مرکز سے ہٹ جائیں گے دنیا کی ہر ایک چیز میں ایک عظیم تغیر و انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک نئے عالم اور زندگی کا آغاز ہو گا۔ زندگی کے اس دور جدید کا نام آخرت ہے تحقیق کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو پیغمبر اسلام کے زمانہ تک کسی مادہ پرست کے ذہن میں نہیں آئی نہ کسی دینی پیشوا کی یہاں تک رسائی ہوئی تھی لہٰذا یہ دعویٰ کرنا بالکل بے اصل ہو گا کہ محمد ﷺ نے اپنے وطن میں یا سفر میں یہ بات کسی سے سن لی تھی پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی کہ آپ نے اس کی حقیقت کو رائے یا فکر سے دریافت کر لیا ہو۔ قرآن کا یہ دعویٰ قرآن کی ان باتوں میں سے ہے جو کھلے ہوئے لفظوں میں اتہام کی تردید کرتی ہیں کہ قرآن کو حضرت محمد ﷺ نے خود اپنی عقل سے تصنیف کر لیا ہے موجودہ زمانے کے بڑے بڑے ہیئت دانوں کے بیانات آپ کے سامنے ہے جو صاف لفظوں میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن پاک نے بربادی عالم کا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ تمام علمی نظریات سے زیادہ معقول و لائق قبول ہے۔

اخروی عذاب و ثواب

اب آخرت کی زندگی کے متعلق قرآنی بحث کا ایک پہلو دیکھئے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کی جن آیتوں نے اہل عرب کے دلوں کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے اور عقیدہ جزاو سزا کو ان کے دماغوں میں پیوست کر دیا اور ان کی زندگیوں کو آخرت کی زندگی کا مشتاق بنا دیا ہے انہیں ہر قسم کی نیکیوں پر

ابھارا ہے اور ہر قسم کی بدیوں سے باز رکھا ہے قرآن کی وہی آیات ہیں جن میں نہایت دلکشی اور بلاغت کے ساتھ جنت کی نعمتوں اور جہنم کی تکلیفوں کا ذکر کیا گیا ہے آپ ان آیات کا مطالعہ کیجئے ان سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ آخرت کے عذاب و ثواب کو دنیا کی تکلیفوں اور راحتوں سے کوئی نسبت اور تعلق نہیں ہے ہاں لفظی مشارکت ضرور ہے جو کچھ قرآن میں بتایا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں عالموں میں جو فرق اور تفاوت موجود ہے وہ ایسا ہے جو خیال میں بھی نہیں آ سکتا قرآن جنت کی نعمتوں کے متعلق کہتا ہے۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قوتہ اعین (پارہ ۲۱ سورۃ السجدہ ۳۲ آیت ۱۷)

ترجمہ! "کسی شخص کو معلوم تک نہیں کہ اہل جنت کے لئے کیسی کیسی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی نعمتیں موجود ہیں"

پھر آخر میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے۔

ورضوان من اللہ اکبر (پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ ۹ آیت ۷۲)

ترجمہ۔O "جنت کی نعمتوں میں خدا کی خوشنودی سب سے بڑھ کر ہے"

حضرت محمد ﷺ نے آخرت کی زندگی کے تمام حقائق کو صرف ایک جملے میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

لا اذن سمعت ولا عین رات ولا خطر علی قلب بشر (الحدیث)

ترجمہ! "یہ ایسی زندگی ہو گی جسے نہ کبھی کانوں نے سنا نہ آنکھوں نے دیکھا بلکہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال بھی نہ گزرا"

خواجہ خواجگان پیر پیراں حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ

(غلام مرتضیٰ)

حضرت شاہ نقشبند قدس سرہ کی توجہ

حضرت خواجہ علاؤ الدین عطارؒ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی توجہ سے طالبوں کا یہ حال تھا کہ پہلے ہی قدم میں مراقبہ کی سعادت سے مشرف ہو جاتے تھے اور جب حضرت خواجہ قدس سرہ کی توجہ اور زیادہ ہوتی تو مقام فنا تک واصل ہوتے اور اپنے سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو جاتے۔ اس وقت حضرت خواجہ قدس سرہ فرماتے کہ ہم صرف حصول دولت کا واسطہ ہیں ہم سے علیحدہ ہو کر مقصود حقیقی سے جا ملو۔ اصحاب تکمیل و ارشاد کا طریقہ یہ ہے کہ اس راستہ کے طالبوں کو طریقت کے گہوارہ میں لٹاتے ہیں اور تربیت کے پستان سے دودھ پلاتے ہیں یہاں تک کہ وصل الٰہی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو دودھ سے روکتے ہیں اور محرم بارگاہ احدیت بناتے ہیں تاکہ بلا واسطہ پیر کے براہ راست حضرت عزت وجلت قدرتہ سے فیض حال کرنے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ عبادت میں اپنی ہستی کی طلب ہے اور عبودیت میں اپنی ہستی کا کھونا ہے۔ جب تک سالک میں کچھ بھی ہستی باقی ہے کوئی عمل نتیجہ بخش نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان

آپ نے فرمایا من عرف اللہ لایخفی علیہ شی جس نے خدا تعالیٰ کو پہچانا اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی یعنی عارف جب اشیاء کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ اس پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ چالیس سال سے ہم آئینہ داری کر رہے ہیں ہمارے وجود کے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی۔ یعنی اولیاء اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں خدا تعالیٰ کے نور فراست سے دیکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ کی سیر

حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سراہ کی سیر

تمام آسمانوں اور زمینوں کے طبقات میں جاری ہے۔ حضرت خواجہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ اس گروہ کی نظر میں روئے زمین مثل دستر خوان کے پیش نظر ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ نہیں بصورت ناخن ہے لہٰذا کوئی شے زمین کی ان کی نظروں سے غائب نہیں ہے فرمایا کہ اس ارشاد فرمانے کے وقت حضرت خواجہ عزیزاں قدس سرہ دستر خوان پر تھے۔

شرک

آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو سلامتی حق سبحانہ و تعالیٰ میں سونپ دے اس کی التجا غیر خدائے پاک سے شرک ہے۔ یہ شرک عوام سے معاف کیا جاتا ہے لیکن خواص سے معاف نہیں کیا جاتا۔

فیض صحبت

آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ تعلقات خلق کا بار صرف اس لیے اٹھاتے ہیں کہ خلق اللہ کے اخلاق کے مہذب ہو جائیں یا کسی ولی کی ان کو صحبت نصیب ہو جائے کیونکہ کوئی ولی ایسا نہیں جس کے حال پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت نہ ہو خواہ اس سے وہ ولی آگاہ ہو یا نہ ہو۔ جو شخص کسی ولی اللہ سے ملتا ہے اس نظر الٰہی کا فیض اس کو پہنچتا ہے۔

شمع کی مانند بن

آپ نے فرمایا کہ شمع کی مانند بن مگر شمع کی طرح مت رہو یعنی شمع دوسروں کو تو روشنی دیتی ہے مگر خود تاریک رہتی ہے تم ایسا مت رہو بلکہ خود بھی روشن رہو اور دوسروں کو بھی روشن کرو۔

ذکر خفی کی حقیقت اور خصوصیت طریقہ نقشبندیہ

آپ نے فرمایا کہ جب میں کعبہ شریف کے سفر سے واپس آیا تو ملک طوس میں پہنچا۔ خواجہ علاؤ الدین عطارؒ معہ اپنے مریدوں اور معتقدین کے بخارا سے ہمارے استقبال کے لئے آئے تھے اس وقت شاہ معزالدین حسین والی ہرات کا ایک خط ایک قاصد کے ذریعہ سے ہمیں پہنچا۔ خط کا

مضمون یہ تھا میں شرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتا ہوں اور میرا حاضر ہونا مشکل ہے پس بحکم اس آیت شریفہ واماالسائل فلا تنھر سائل کو مت جھڑکو اور بمقتضا اس کیااذا رایت لی طالبا فکن له خادما جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔ ہم ہرات کی طرف متوجہ ہوئے جب ہم بادشاہ کے پاس پہنچے تو فقرا کی مراسم تعظیم کے بعد صحبت منعقد ہوئی۔ بادشاہ نے پوچھا آپ کی درویشی کو بطور سجادگی کے آپ کے بزرگوں سے پہنچی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا آپ سماع سنتے ہیں اور ذکر جہر کرتے ہیں میں نے کہا نہیں بادشاہ نے کہا درویشی تو ان ہی کاموں کو کہتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتے۔ میں نے خدا تعالیٰ کا جذبہ عنایت بے غایت جب مجھے پہنچا تو اس نے بلا یافت کے مجھے قبول فرمالیا میں باشارہ الٰہی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے سلسلہ میں داخل ہو گیا اور اس طریقہ کے بزرگوں سے فیض پایا ان کے طریقہ میں ان چیزوں میں سے کچھ نہ تھا۔ بادشاہ نے پوچھا ان کے طریقہ میں کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا وہ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ رہتے ہیں اور باطن میں خدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس نے کہا کیا ایسا ہو سکتا ہے میں نے کہا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ مردان خدا وہ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔ ہمارے حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم کا ارشاد ہے کہ خلوت در انجمن اور سفر در وطن اور ہوش در دم اور نظر بر قدم پھر میں نے وہ حضور اور ذوق جو ذکر بلند اور سماع میں پیدا ہوتا ہے وہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ مگر وقوف قلبی کی مداومت جذبہ تک پہنچاتی ہے اور جذبہ سے مقصود حاصل ہوتا ہے۔ گرمی مجوالا آتش درونی۔ گرمی اندرونی آگ کے سوا اور کسی چیز سے مت حاصل کرو۔ ذکر خفی کی حقیقت وقوف قلبی ہی سے میسر ہو سکتی ہے اور وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ خود دل بھی نہیں جانتا کہ وہ ذکر میں مشغول ہے۔ اکابر طریقت کا ارشاد ہے کہ خود اگر قلب کو اس کا علم باقی رہے کہ وہ ذکر کر رہا ہے (یعنی محویت نہ ہو) تو جان لے تو کہ ابھی وہ غافل ہے آیت کریمہ میں ارشاد ہے واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفتہ ذکر کر تو پروردگار کا دل میں زاری اور خوف کے ساتھ۔

حضرت حسنؒ نے فرمایا لا تظهر ذكرک لنفسک فتطلب له عوضا تو ذکر کو اپنے نفس پر مت ظاہر کرورنہ وہ اس کا معاوضہ طلب کرے گا۔

چار نسبتیں

آپ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارہم کی تصوف میں چار نسبتیں ہیں۔ ایک حضرت خواجہ علیہ السلام سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے علم اور حکمت کو زیادہ کرے۔ دوسرے شیخ جنید بغدادی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے اسرار کو پاک کرے۔ تیسرے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ سے جو حضرت امیرالمومنین علیؓ سے ان کو ہے۔ چوتھے امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہے اسی لئے اس طریقہ کے درویشوں کو نمک مشائخ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وقوف قلبی اور وقوف عددی میں اپنے اختیار سے آنکھیں بند نہ کریں کیونکہ یہ مخلوق کے واقف ہونے کا ذریعہ ہے۔ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کو دیکھ کر جو گردن جھکائے بیٹھا تھا فرمایا یا ابا العنق ارفع عنقک اے ابا العنق اپنی گردن کو اٹھاؤ۔ فرمایا ذکر میں اس طرح مشغول ہو کہ کوئی شخص اہل مجلس سے اس حال سے واقف نہ ہو سکے۔ فرمایا ارتفاع الغفلته فاذا رفعت الغفلته فانت ذاکر وان کنت ساکتا ذکر غفلت کے دور ہونے کو کہتے ہیں جب غفلت دور ہو جائے خواہ تو خاموش رہے تب بھی تو ذاکر ہے۔

آپ نے فرمایا کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے۔ کھانے پینے کہنے سننے چلنے پھرنے خریدنے بیچنے عبادت کرنے نماز پڑھنے قرآن پڑھنے کتابت کرنے سبق پڑھنے وعظ کہنے وغیرہ میں چاہیے کہ پلک جھپکنے میں بھی خدا تعالیٰ سے غافل نہ رہے تاکہ مقصود حاصل ہو۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہو شاید کہ وہ نظر لطف فرمائیں اور تجھ کو خبر نہ ہو۔

اکابر طریقت قدس اللہ اسرارہم نے ارشاد فرمایا من غمض عينيه عن الله تعالى طرفه عين لا

یصل الیہ طول عمرہ

جو شخص بقدر پلک جھپکنے کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے غافل رہا وہ عمر بھر میں بھی اس نقصان کو پورا نہ کر سکے گا۔ فرمایا کہ باطن کو نگاہ رکھنا بہت مشکل ہے مگر حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے خاص بندوں کی تربیت سے جلد حاصل ہو جاتی ہے۔ فرمایا

بے عنایات حق و خاصان حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

خدا اور خاصان خدا کی عنایت کے بغیر فرشتہ خصلت آدمی کے بھی نامہ اعمال کے سیاہی دور نہیں ہو سکتی ایسے پیر بھائیوں جو ہم سبق ہوں اور ایک دوسرے کے منکر نہ ہوں اصول صحبت کے پابند ہوں تو ان کی صحبت میں مقصود جلد حاصل ہو جاتا ہے اور پیر کامل و مکمل کی ایک توجہ کی برکت سے اتنی صفائی باطن کی حاصل ہو جاتی ہے جو ریاضات کثیرہ سے بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

عارف رومی فرماتے ہیں۔

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دین
طعنہ زند بر چلہ سنخرہ کند بر دہہ

شمس الدین کی ایک نظر شہر تبریز میں وہ کام کر گئی کہ اوروں کی چلہ کشیوں سے بہت آگے بڑھ گئی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمسفر تھے جب بلند جگہ پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایھا الناس ارتعوا علی انفسکم انکم لا تدعون غائبا ولا اصما انکم لتدعون سمیعا قریبا اے لوگو۔ ڈرو اپنی جانوں پر کیونکہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے اور قریب ہے۔ فرمایا کہ مشائخ کا اتفاق ہے کہ ذکر خفی افضل اور اولیٰ ہے اور فرمایا کہ فرشتے بلند آواز سے ذکر نہیں کرتے۔ ذکر خفی جہر سے ستر (70) درجہ افضل ہے۔

شفاعت

آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ہمارے سامنے جوتے بھی رکھے ہوں تو اس کی بھی ہم شفاعت کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے خستہ آدمی کے اصلی حالت پر لانے کی کوشش کرو اس کے بعد دل شکستہ کی اصلاح پر توجہ دو۔

غرور

آپ نے فرمایا کہ اس راستہ میں مغرور کا کام نکلنا نہایت مشکل ہے۔ فرمایا

گرچہ حجاب تو بردن از حد است

ہیچ حجابے است چو پندار نیست

اگرچہ خدا کے اور تیرے درمیان بہت کچھ حجاب ہیں لیکن کوئی حجاب تیری خود پسندی سے بڑھ کر نہیں ہے

حال

آپ نے فرمایا کہ فقیر کو چاہئے کہ جو کچھ کہے درد و حال سے کہے اگر بغیر حال کے کہے گا تو وہ حال کی سعادت سے محروم رہے گا۔

آپ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ جو شخص دوڑا اس نے خدا کو پا لیا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خدا کو وہ پائے گا جو اس کی راہ میں دوڑتا رہے گا۔ دوڑتے رہنا کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی راہ کی طرف کوشش کرتا رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کو رازوں کی اطلاع دی جاتی ہے مگر وہ بغیر حکم الٰہی کے ان کو ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے بھید سے واقفیت رکھتا ہے وہ چھپاتا ہے اور جو نہیں رکھتا وہ چلاتا ہے۔ اخفاء الاسرار من الابرار اسرار کو چھپانا ابرار کا طریقہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے مسخ صورت یعنی صورت کا بگڑ جانا تو اس امت سے اٹھا لیا گیا ہے مگر مسخ باطن یعنی دل کی خرابی باقی رہ گئی ہے آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم سے کبھی خلق کے دلی حالات اعمال و احوال کا اظہار ہو جاتا ہے ہمارا اس میں دخل نہیں یا تو الہام سے اس کی ہم کو خبر ہو جاتی ہے یا کسی اور ذریعہ سے ہم تک پہنچاتے ہیں۔

نیت

آپ نے فرمایا کہ ہر کام میں نیت کی صحت نہایت ضروری ہے اس لئے کہ نیت بخشش الٰہی ہے اس کا کسب سے کچھ تعلق نہیں۔ بزرگان دین میں سے ایک بزرگ نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا کہ لم یحضر فی النیتہ میری نیت حاضر نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ حق کو باطل سے جدا کرنے کی نیت سے منطق پڑھنا جائز ہے۔

آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی قابلیت کا جوہر بری صحبتوں کی وجہ سے خراب ہو جائے تو اس کے کام کی درستی دشوار ہے سوائے اہل تدبیر کی صحبت کے اور وہ سرخ گندھک کی طرح کمیاب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ غیاب الزیارۃ مع حضور القلب خیر من دوامھا بلا حضور زیارت سے غائب رہنا حضوری دل کے ساتھ بہتر ہے بلا حضوری سامنے رہنے سے۔

رحمت دو عالم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا زر غبا تزدد حبا ایک دن چھوڑ کر ملا کرو اس سے محبت زیادہ ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ ستون حنانہ کے پیچھے سے ہو کر پھر آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی جدائی کی طاقت میں نہیں رکھتا۔ اگرچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی محبت کے کمال کا اظہار کیا لیکن اگر حضور ﷺ کے ارشاد مبارک کی تعمیل کرتے تو اور زیادہ بہتر ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر طالب کو مرشد کے کام میں مشکل پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ طاقت کے مطابق صبر کرے اور کارخانہ اعتقاد کو برہم نہ کرے۔ ممکن ہے کہ اس پر راز ظاہر کر دیا جائے اور اگر طالب مبتدی ہو اور صبر کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ شیخ سے دریافت کر لے کیونکہ اس کے لئے پوچھ لینا روا ہے اور اگر طالب متوسط الحال ہو تو وہ اس کے حل کرنے کے لئے لب کشائی نہ کرے کہ اس کے لئے سوال جائز نہیں ہے۔

کرامت

حضرت خواجہ قدس سرہ سے کرامت طلب کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میری یہ کرامت کچھ کم ہے کہ باوجود اتنے گناہوں کے زمین پر چل سکتا ہوں۔

حضرت خواجہ قدس سرہ نہر کے اس کنارے پر جو مزار شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ کے

برابر ہے درویشوں کے ساتھ تشریف فرما تھے اور صحبت گرم تھی اتنے میں ایک شخص کی زبان سے یہ نکلا کہ پہلے بزرگوں کو کرامت و تصرفات حاصل تھے اس زمانہ میں کوئی ایسا بزرگ نہیں ہے جس سے اس قسم کے امور سرزد ہوں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اب بھی ایسے لوگ ہیں کہ اگر اس نہر کو اشارہ کریں کہ الٹی بہے تو اسی وقت الٹی بہنے لگے۔ حضرت خواجہ ابھی یہ فرما ہی رہے تھے کہ نہر کا پانی الٹا بہنے لگا۔ ایک جماعت کثیر نے اس واقعہ کو دیکھا۔ جب حضرت خواجہ کا وقت اخیر ہوا تو آپ کاروان سرائے میں تشریف لے گئے اور مرض کے زمانہ میں اس سرائے کے ایک حجرہ میں مقیم رہے۔ خاص خاص مرید آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ حضرت نے ہر ایک کے حال پر مہربانی توجہ اور الطاف خاص فرمائے۔ آخر وقت دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے۔ بہت دیر تک دعا فرماتے رہے پھر دونوں ہاتھ چہرہ پر رکھے تو آپ کا وصال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون حضرتؒ کی عمر شریف تہتر (73) سال کی تھی 3 ربیع الاول بروز پیر 691ھ میں وصال فرمایا۔ مزار شریف بخارا میں ہے۔

اطلاع

مندرجہ ذیل برادران سلسلہ توحیدیہ کے بزرگ قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں۔ تمام بھائیوں سے درخواست ہے کہ مرحومین کی مغفرت اور پس ماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کی جائے۔

1۔ حلقہ توحیدیہ راولپنڈی کے بھائی غلام مرتضےٰ صاحب کے والد ماجد۔

2۔ حلقہ توحیدیہ ملتان کے بھائی محمد راشد کے والد ماجد۔

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالی کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالے نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش وخروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہورہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں
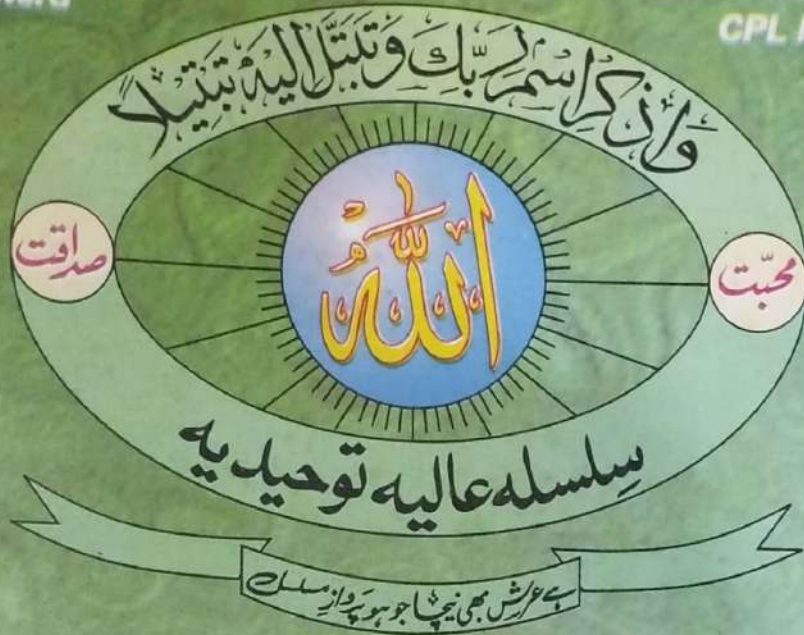
FALAH-E-ADMIAT
Registerd
CPL No. 491
وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا
صداقت
اللہ
محبت
سِلسلہ عالیہ توحیدیہ
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل
بانی سلسلہ کی تصانیف
"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہا
مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلا
کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تاکہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جا
اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔
☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔
☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔
☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الووجود کو جنم دیا۔
☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔
☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ۔
☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔
ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچسپی
رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔